مولا حسینؑ

تقاریر

مولانا کوثر نیازی

مرتّب

ہادی عسکری

مولا حسینؑ

تقاریر

مولانا کوثر نیازی

مُرتّب

ہادی عسکری

(جملہ حقوق محفوظ)

کتاب ـــــــــ مولا حسینؑ

مُرتّب ـــــــــ ہادی عسکری

تعدادِ اشاعت ـــــــ ایک ہزار

تاریخِ اشاعت ـــــــ مئی سنہ ۱۹۹۶ء

مقامِ اشاعت ـــــــ کراچی

ـــــ ناشر ـــــ

محمدی ایجوکیشن اینڈ پبلی کیشنز
ڈی ۷۷۔ بلاک ۷، گلشن اقبال کراچی
فون ـــ ۴۹۶۲۸۰۹

ـــــ قیمت ـــــ

ڈالر ـــــــ ۱۰

پونڈ ـــــــ ۶

ترتیب

عرضِ مُرتّب	ہادی عسکری	۵
اظہارِ تشکّر	طارق نیازی	۸
خطیبؑ و خطابت	ڈاکٹر کلبِ صادق	۱۲

(تقاریر کوثر نیازی)

شہیدِ انسانیت	۲۷
عظمتِ ذکرِ اہلبیتؑ	۳۱
یہ نہ ہوتے تو زمانے میں اندھیرا ہوتا	۴۵
اِسلامی حکومت، کب اور کیسے ؟	۵۹
اِسلام، حسینؑ کی نشانی	۶۸
یزید مورچہ جیتا ہے جنگ ہارا ہے	۷۳

میرا جوان بیٹا فاروق نیازی
ایک حادثے میں جاں بحق ہوگیا تھا
تو مَیں تو وہ آدمی ہُوں،
جس کا دل خود مجروح ہے اور جو جوان اولاد کا
زخم کھا چُکا ہے
میں سمجھتا ہوں کہ غمِ حُسینؑ میں تمام غموں کی پناہ ہے
تو جس کو غمِ حسینؑ میں سہارا ملتا ہو
تو وہ کیسے کہے گا کہ
یہ غم صحیح نہیں ہے۔

کوثر نیازیؔ

عَرضِ مُرتّب

مولانا کوثر نیازی مرحوم جیسے صاحبِ طرز مقرر، صحافی، عالم دین اور بہت سے خوبیوں کے مالک انسان بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔ مولانا کی علمی خدمات کے ساتھ ساتھ امت کو تفرقہ بندی، فرقہ پرستی سے بچانا اور ملت کو یکجا دیکھنا اور اس کا تواتر کے ساتھ ذکر کرنا اور بامقصد فکر کو بلند کرنا، وسعت قلبی کا درس دینا یہ مولانا مرحوم کی ذات سے وابستہ تھا جو ہم کو ان کی تقریروں اور کالموں میں گاہے بہ گاہے نظر آتا ہے۔ مولانا کا تکرار سے یہ ارشاد تھا کہ "محمدؐ و آلِ محمدؐ کا ذکر کسی ایک فرقہ کی اجارہ داری نہیں وہ سب کے تھے اور سب کے ہیں۔ میرا یہ منصب نہیں کہ میں مولانا مرحوم کی تقاریر یا انکی خدمات کے بارے میں قلم اٹھاؤں۔ مجھے تو صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ محمدی ایجوکیشن اینڈ پبلی کیشن نے جہاں دوسری کتب کو شائع کیا ہے

وہاں مولانا کی حضرت علیؑ پر تقاریر "مولا علیؑ" آپ حضرات کے پیش نظر ہو گی۔ اسکی اشاعت کے چھ مہینے بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ ہم کو اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کرنا پڑا۔ مولا علیؑ صرف ایک مسلک کے افراد نے نہیں بلکہ ہر طبقۂ فکر کے افراد نے پڑھی اور اپنی آراء سے ہم کو مطلع کیا۔ بہرحال میرے نزدیک مرتب کا کمال کوئی کمال نہیں ہوتا ہمیں صرف اس بات کا اطمینان ہے کہ لوگوں نے ہماری ایک ادنیٰ سی کوشش کو سراہا اور ہمت افزائی فرمائی۔ اخبارات وجرائد میں تبصرے کئے اور مولانا مرحوم کو خراج تحسین پیش کیا۔ میں اپنے ان تمام احباب کا شکر گزار ہوں۔

ایجوکیشن اور پبلی کیشن میں جہاں ہم تھوڑی بہت کوششوں میں مصروف ہیں وہاں ہمارے اس ذیل میں دو اور پروجیکٹ بھی قابل غور ہیں "محمدی ٹیپ بینک" اور "مرثیہ کمپیوٹر لائبریری"۔ محمدی ٹیپ بینک کا ذکر اس لئے ضروری سمجھتا ہوں کہ اس کتاب کی اشاعت میں اگر یہ ٹیپ نہ ملتے تو اس کتاب کی اشاعت ممکن نہ ہوتی۔ محمدی ٹیپ بینک میں مسلم دنیا کے نامور علماء، خطباء اور دانشوروں کا وہ علمی سرمایہ جو آواز کی صورت میں ہے یکجا کیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ مرثیہ سوز وسلام ومنقبت کی ریکارڈنگ بھی اس ٹیپ بینک میں شامل ہے۔ اس بینک میں پہلا آڈیو اکاونٹ خطیب عالمِ اسلام حضرت علامہ رشید ترابی اعلی اللہ مقامہ کے

نام سے شروع کیا گیا ہے۔ علامہ مرحوم کی کم وپیش ۱۴۰۰ تقاریر کو جدید ڈیجیٹل سسٹم پر محفوظ کیا جا رہا ہے ان ہی تقاریر میں جہاں ہمیں بہت ساری نایاب تقاریر ملیں وہاں مولانا کوثر نیازی مرحوم کی، علامہ رشید ترابی اعلیٰ اللہ مقامہ کی موجودگی میں حضرت امام عالی مقام پر وہ تقاریر بھی ہیں جن کا عنوان ہم نے "مولا حسینؑ" منتخب کیا۔ یہ تقاریر مولانا نے ۱۹۷۰ء سے لے کر ۱۹۷۴ء تک کی ہیں یہ بھی ہمیں اسی ٹیپ بینک سے حاصل ہوئیں۔ ان تقاریر میں جن موضوعات پر مولانا نے روشنی ڈالی ہے اور جن خدشات کا اظہار فرمایا ہے شاید کوئی اس وقت ان باتوں کا اندازہ نہ لگا سکتا ہو، مگر ایک اسکالر اور دور بین شخص وہی ہوتا ہے جو اپنی بات بہت دور تک پھیلا کر کہہ رہا ہو۔ یہ تقاریر آڈیو سے کتاب پر میں نے نقل کیں اور مجھے امید ہے کہ اس کوشش کو آپ پسند کریں گے۔

میں شکر گزار ہوں ڈاکٹر کلبِ صادق صاحب کا کہ انہوں نے ہماری درخواست پر پیش لفظ تحریر کیا۔ آخر میں مولانا مرحوم کے فرزندوں کا شکر گزار ہوں جنہوں نے ہمیشہ کی طرح وہی تعلق خاطر رکھتے ہوئے جو ہمارے اور ان کے درمیان ایک عرصہ سے قائم ہے اس بات کی اجازت مرحمت فرمائی کے ہم اس کتاب کو آج اس صورت میں لانے کے قابل ہوئے۔ پروردگار اعلیٰ ان کو جزائے خیر دے۔

والسلام ہادی عسکری

اِظہارِ تشکّر

ہمارے والدِ گرامی مولانا کوثر نیازی مرحوم کو اس دنیا سے رخصت ہوئے تقریباً دو سال ہونے والے ہیں۔ ان کی تقریری اور تحریری خدمات سے کون واقف نہیں۔ مگر ان کی تقاریر کو کتابی صورت میں محفوظ کرنے کا جو کام محمدی ایجوکیشن اینڈ پبلی کیشن نے کیا ہے وہ قابلِ تحسین ہے۔ اس کی مثال ہمارے والد گرامی کی وہ تقاریر ہیں جو انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کی ولادت کے موقع پر مختف برسوں میں کی تھیں اور ان کو یکجا کر کے کتابی صورت میں "مولا علی" کے نام سے جس حسن کے ساتھ، محبت کے ساتھ اور پھر سب سے بڑھ کر خلوص کے ساتھ شائع کیا گیا۔ میرے پاس اور میرے خانوادے کے پاس اس کے ادائے تشکر کے لئے الفاظ نہیں۔ اسی سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے یہ کتاب جو آپ کے سامنے ہے جو مولا

حسین رضی اللہ تعالی کے اسم گرامی سے منسوب ہے یہ وہ تقاریر ہیں جو ہمارے والد نے حضرت امامِ عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ پر فرمائی تھیں۔ سچ پوچھئے تو ہمیں ان کا کوئی علم نہ تھا۔ اسلام آباد میں میرے غریب خانہ پر برادر عزیز ہادی عسکری تشریف لائے یہ ان کا محبت اور خلوص ہے اور وہ تعلق خاص جو انہوں نے ہمیشہ سے باقی رکھا ہے۔ میرے والد گرامی کو جوان سے خاص محبت تھی انہوں نے اس کو بالکل اسی طرح سے برقرار رکھا ہے جیسے کہ وہ اب بھی دنیا میں موجود ہوں۔ انہوں نے مجھ سے ذکر کیا کہ محمدی ایجوکیشن اینڈ پبلی کیشن کا ذیلی ادارہ محمدی ٹیپ بینک کے نام سے کام کر رہا ہے اور مجھے اس کی ساری تفصیلات سے آگاہ کیا اور کہا چونکہ اس ٹیپ بینک کا مقصد خاص طور پر ہمارے گزشتہ مرحومین کا جو تقاریر کے حوالے سے رول رہا ہے اس کو آواز کی صورت میں جدید ٹیکنالوجی کے ذریعہ محفوظ کرنا اور عام کرنا ہے اور یہ کام علامہ رشید ترابی سے شروع کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے میرے والد کو جو علامہ رشید ترابی مرحوم سے عقیدت تھی وہ آپ سب بہتر جانتے ہیں اور اس عقیدت کا اظہار آپ ان تقاریر میں پڑھ سکتے ہیں۔ علامہ رشید ترابی مرحوم کی موجودگی میں جب میرے والد وزارت کے منصب پر فائز تھے تو سیدنا امام حضرت عالی مقام پر یہ تقاریر فرمائیں تھیں اور ان کے ٹیپ آواز کی صورت میں اس وقت

مرحوم شریف شعبان صاحب نے محفوظ کیے تھی ۔ برادر عزیز ہادی عسکری نے یہ تفصیلات بتانے کے بعد مجھ سے اس امر کی خواہش ظاہر کی کہ ادارہ یہ چاہے گا کہ "مولا علیؑ" کے بعد "مولا حسینؑ" کے نام سے ان تقاریر کو بھی یکجا کر دیا جائے میں نے بغیر کسی تامّل کے ان کو فوراً اجازت دی اور یہ بھی درخواست کی کہ اگر آواز کی صورت میں بھی ہمارے والد کی جتنی بھی تقاریر ہیں ان کو ڈیجیٹل سسٹم پر محفوظ کرلیا جائے تو یہ ہمارے خانوادے پر آپ ایک کرم فرمائیں گے۔ میری اس خواہش کو انہوں نے فوراً قبول کرلیا اب انشاء اللہ تحریری شکل کے ساتھ ساتھ خود تقاریر کو بھی محمدی ٹیپ بینک کے ذریعے سے محفوظ کر کے انشاء اللہ بہت جلد عام کر دیا جائے گا اور امت مسلمہ میرے والد کی ان علمی اور فکری خدمات سے استفادہ حاصل کرسکے گی اور اگر کسی ایک شخص نے بھی اس کام سے فیض حاصل کرلیا تو میں سمجھوں گا کہ میرے والد گرامی کے لئے مستقل ثواب کا سلسلہ جاری رہے گا۔ میں اپنی جانب سے اور اپنے چھوٹے بھائی ڈاکٹر رؤف نیازی کی طرف سے محمدی ایجوکیشن اینڈ پبلی کیشن کا ایک مرتبہ پھر بے حد شکر گزار و ممنون ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی اشاعت کے لئے قدم بڑھایا اور خاص طور پر دعا گو ہوں مرحوم شریف شعبان صاحب کے لئے جن سے میں واقف نہیں مگر انہوں نے جس طرح

سے میرے والد کی آواز کو محفوظ کیا پروردگار ان کو جوار رحمت میں جگہ دے ان کے درجات کو بلند کرے۔ ورنہ شاید ممکن ہے کے ہمارے لئے یہ کام مشکل ہوتا۔ خداوند اعلیٰ ان تمام افراد کو جزائے خیر عطا کرے۔

والسلام

طارق نیازی

خطیبُ و خطابت

خطابت نے اپنا لوہا سیاست سمیت قریب قریب سبھی میدانوں میں منوایا ہے مگر مذہب وخطابت کا تو چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ قرآن حکیم نے وہ گفتگوئیں ریکارڈ کرلی ہیں جو مختلف انبیاءؑ نے اپنی اپنی قوموں کے سامنے کیں۔ اس نے وہ تقریریں بھی محفوظ کرلیں جو پیغمبران اولوالعزمؑ نے اپنے اپنے دور میں ظالم وجابر شہنشاہوں اور آمروں کے درباروں میں فرمائیں۔ ان تقریروں نے وہ کر دکھایا جو بڑے بڑے عظیم الشان لشکر نہ کرسکتے تھے۔ ان میں ممتاز تر وہ تقریریں ہیں جو حضرت ابراہیم خلیلؑ نے دربار نمرود میں اور حضرت موسیٰ کلیمؑ نے دربار فرعون میں فرمائیں۔ ان دونوں ہی بزرگواروں کی تقریروں نے نمرود وفرعون کو ان کے اپنے درباروں میں، خود ان کے اپنے درباریوں کے سامنے، ان کی خدائی کی اوقات بتادی۔

اسلام سے قبل عرب میں خطابت پر شاعری کو ترجیح دی جاتی تھی۔ ہر قوم و قبیلہ کا اپنا شاعر ہوتا تھا۔ یہ دور جاہلی دور کہا جاتا ہے۔ اس میں شاعری کو وہی مقام و اعزاز حاصل تھا جو آج کی جدید جاہلیت میں پریس کو حاصل ہے اور شاعروں سے لوگوں کا دم بھی ویسے ہی نکلتا تھا، جیسے آج کل کے سیاست دانوں اور شہرت طلب لوگوں کا پریس سے نکلتا ہے۔ اسلام نے مخرب اخلاق اور جنس زدہ شاعری کی زبردست ہمت شکنی کی اور محض اس شاعری کی اجازت دی جس میں عشق و محبت کا مایہ حسنِ صورت کے بجائے حسنِ سیرت و کردار کو قرار دیا جائے۔ لیکن اس کے باوجود خدا کے رسولؐ کو شاعری سے الگ رکھا گیا۔ کیونکہ شاعری کے اجزاء ترکیبی دین کے اجزاء ترکیبی سے میل نہیں کھاتے تھے اسی لئے قرآن نظم کے بجائے نثر کے قالب میں اترا مگر یہ نثر ایسی تھی کہ نظم کا رنگ پھیکا پڑ گیا اور خود رسولِ کریمؐ بھی میدانِ خطابت ہی کے شہسوار قرار پائے۔ "غزوہ حُنین" رسولؐ کی فتح پر ختم ہوا تو حضورؐ نے مکہ کے نو مسلموں کو مال غنیمت سے نواز دیا اور غنمیت میں ہاتھ آئے ہوئے مویشی سب کے سب ان ہی نو مسلموں کے حوالے کر دیئے۔ انصار مدینہ کو یہ بات گراں گزری اور چند زبانوں پر شکوہ آگیا کہ جنگ کی سختیاں اور صعوبتیں تو وہ جھیلیں مگر جب تقسیم غنیمت کا وقت ہو تو رسولؐ اپنے قبیلۂ قریش کا لحاظ کریں

اور انصار کو نظر انداز کر دیں۔

حضورؐ کے گوش مبارک تک یہ تبصرے پہنچے تو آپ نے انصار کو جمع فرمایا۔ پہلے ان برکتوں کو شمار کرایا جو اسلام کے دست مبارک سے انصار کے ہاتھ لگیں۔ پھر فرمایا کہ ۔۔۔۔"ہاں تم بھی کہہ سکتے ہو کہ آپ بے یارو مددگار آئے تھے "ہم نے مدد کی آپ کا ساتھ دیا۔ ہمرکاب رہ کر جنگ کی، تم اگر یہ کہو تو سچ کہو گے۔۔۔۔"

اس کے بعد حضورؐ نے بس ایک جملہ فرمایا مگر وہ جملہ ایسا تھا جس نے انصار کے جذبات میں طلاطم برپا کر دیا۔ ارشاد فرمایا کہ "مگر یہ بھی تو سوچو کہ قریش کے نو مسلم اونٹ بھیڑ بکریاں لے کر جا رہے ہیں اور تم اللہ کے رسولؐ کو اپنے ساتھ لیئے جا رہے ہو۔" یہ جملہ سنا تو انصار بے قرار ہو کر رونے لگے اور بے ساختہ زبانوں پر آگیا کہ ہم خدا اور رسولؐ کے فیصلہ پر راضی ہیں۔

رسولؐ مقبول نے دینی خطابت کی جو خشتِ بنیاد رکھی تھی آپ کے بعد آپ کے شاگرد حضرت امیر المومنینؑ نے اسے منزل معراج تک پہنچا دیا۔ اس مختصر تمہید میں اتنی سمائی کہاں کہ اس پر ذرا بھی تفصیل سے روشنی ڈالی جائے۔ جن حضرات کی ادبیاتِ عربی پر نظر ہے وہ واقف ہیں کہ عرب کے چوٹی کے خطیب علیؑ کے خطبوں کو رٹ رٹ کے خطابت کی ان بلندیوں پر پہنچے اور اس بات کا انہوں نے اعتراف بھی کیا۔

اسوہ رسولؐ کی طرح سیرت علیؑ سے بھی صرف ایک واقعہ کے نقل پر اکتفا کی جاتی ہے۔

جنگ صفّین میں جب حاکم شام نے فرات پر قبضہ کر کے لشکر علیؑ پر پانی بند کر دیا اور امیرالمومنینؑ کی افہام و تفہیم کی کوششوں کو حضرت کی کمزوری پر محمول کیا تو آپؑ نے لشکر کی ایک ٹکڑی کو حکم دیا کہ وہ گھاٹ پر قابض دشمن پر حملہ کر کے وہاں سے دشمن کو بھگا کر اپنا پرچم لہرا دے۔ اس موقع پر امیرالمومنین کی تقریر کے ایک تاریخی جملے نے سپاہ علیؑ کی نظر میں موت کو زندگی سے زیادہ گراں مایہ بنا دیا۔

" الحیاۃ فی موتکم قاھرین والموت فی حیاتکم مقھورین "

"کامیاب ہو کر مرجانا زندگی ہے اور شکست کھا کر زندہ رہنا موت ہے"

تاریخ کی شہادت ہے کہ اس ایک جملے نے لشکر امامؑ میں وہ ولولہ وعزیمت پیدا کر دی کہ شام کا لشکر اس سپاہِ حق آگاہ کے سامنے چند منٹ بھی نہ ٹک سکا اور ساحل فرات پر ساقی کوثر کا پرچم لہرانے لگا اور علیؑ نے دشمن کے لئے بھی گھاٹ کھول کر جنگ و جہاد کے فرق کو اپنے عمل سے واضح کر دیا۔

خطبوں کی تاریخ میں امام حسینؑ کے کربلا سے قبل اور میدان کربلا میں خطبے یقیناً فصاحت و بلاغت کے شاہکار ہیں لیکن اس مختصر تمہید میں

ان سے صرفِ نظر کے علاوہ چارہ نہیں۔

کوفہ اور شام کے بازاروں میں شاہ زادی زینبؑ نے اور دربارِ یزید میں امام سجادؑ نے جن حالات میں جو خطبے دیئے ان کو ان کے اثرات کی روشنی میں دیکھئے تو کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے دربار نمرود میں حضرت ابراہیمؑ اور دربار فرعون میں موسیٰ کلیمؑ اللہ کی خطابت کو پیچھے چھوڑ دیا۔ ان خطبات کو خطابت کا شاہکار کہنا ان کی سبکی ہے یہ خطابت کے شاہکار نہ تھے معجزے تھے۔

حضرت زینبؑ اور امام زین العابدینؑ کے انہی خطبات نے ہماری مجلسوں کی بنیاد رکھی۔ بعد کے ائمہ اہلبیتؑ نے سخت ترین حالات میں بھی ان مجلسوں کو قائم رکھا اس لئے کہ آپ حضرات جانتے تھے کہ ان مجلسوں کے یہ آنسو اگر ملت کے لئے چشمۂ حیواں بن سکتے ہیں تو دشمنوں کے لئے بلائے جاں بھی ثابت ہوسکتے ہیں۔ ان حضرات کی اس انجام بینی کو تاریخ نے دیکھا اور صحیح پایا۔ بنی امیہ اور بنی عباس کے سات سو برس سے بھی زاید کے سفاکانہ دورِ اقتدار میں غم حسینؑ میں بہنے والے یہی آنسو ہمارے لئے آب حیات بنے رہے اور یہی آنسو تھے جو وقتاً فوقتاً انقلابی تحریکوں کی شکل میں ظالم حکومتوں کو تھپیڑے دیتے رہے۔ آنسو بنام تلوار کا یہ معرکہ آج بھی برپا ہے۔ آمریت و ملوکیت کے نمک خوار آج بھی

یزید کو "امیر المومنین" قرار دے کر اپنے آقاؤں کے اقتدار کے ڈولتے سنگھاسن کو سنبھالنے کی کوشش کر رہے ہیں اور عدل ومساوات کی دائمی انقلابی تحریکوں کا نعرہ آج بھی یہی ہے کہ

"کربلا تاج کو برداشت نہیں کر سکتی"

برصغیر پر نظر ڈالیں تو یہاں بھی مذہب کی تجدید واحیاء میں خطبہ ہی کار فرما دکھائی دے گا۔ ۱۲۰۰ھ / ۸۶ - ۱۷۸۵ء میں سادات نصیر آباد ضلع رائے بریلی کا ایک نوجوان سید دلدار علی جو باب مدینتہ العلم کے آستانے سے سند اجتہاد لے کر ہندوستان پلٹا تھا، لکھنؤ آیا تو شمالی ہند میں شیعوں کی پہلی نماز جمعہ وجماعت برپا ہوئی۔ چونکہ سید دلدار علی کی لکھنو آمد وزیر اعظم سرفراز الدولہ کے بلاوے اور حکمران آصف الدولہ کی منظوری سے ہوئی تھی۔ اس لئے اودھ کا حکمراں بھی مقتدیوں کی صفوں میں موجود تھا تو اسی دلدار علی غفرانمآب نے وزیر اعظم کے منع کرنے کے باوجود خطبہ کا موضوع وہی کمزوریاں قرار دیں جو رعایا کے ساتھ حکمران میں بھی پائی جاتی تھیں مگر اس ایک خطبہ نے ہمیشہ کے لئے حکومت کا مزاج بدل دیا۔ عیش کوشیاں عبادت میں تبدیل ہوگئیں۔ عشرت کدوں کی جگہ مسجدوں نے لے لی اور مقبروں کی جگہ امام باڑے بننے لگے اور اودھ کی حکومت نے شریعت سے مفاہمت کی راہ اختیار کرلی اور پھر آگے چل کے

شریعت کے ہاتھ پر بیعت ہی کرلی۔

مملکت اودھ میں عزاداری کو زبردست فروغ میسر ہوا لیکن اس دوران محض مرثیہ گوئی پروان چڑھتی رہی جو انجام کار انیس و دبیر کے ذریعہ ان بلندیوں تک پہنچی کہ جنہیں بعد میں آنے والا کوئی مرثیہ گو چھو بھی نہ سکا لیکن خطابت عزاء روضہ خوانی سے آگے قدم نہ بڑھا سکی۔

تاہم مولانا دلدار علی غفرانمآب کے فرزند اکبر سلطان العلماء سید محمد (رضواں مآب) نے اپنے بیانات میں ذکر فضائل میں نکتہ آفرینی کی شروعات کی اور پھر اسی خانوادے کی ذی علم جلیل شخصیت بحرالعلوم سید محمد حسین عرف جناب علن صاحب (متوفی ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء) نے مصائب میں جزئیات کی توجیہ اور علمی موشگافیوں کی ابتدا کی لیکن خطابت معراج کمال پر شمس العلماء مولانا سبط حسن مرحوم کی بدولت پہنچی۔ آپ کو جہانِ خطابت میں وہی مرتبہ حاصل ہوا جو دنیائے مرثیہ میں انیس کو حاصل ہوا تھا۔ انیس کو خدائے سخن کا خطاب ملا تو مولانا سبط حسن کو خطیب اعظم کا لقب ملا۔

چنانچہ عزاخانہ غفرانمآب کے مقدس قبرستان میں واقع مرحوم کے سنگ مزار پر جو عبارت درج ہے یوں تو اس کی ہر سطر مادہ تاریخ پر مشتمل ہے مگر اس کی پہلی سطر "قبر خطیب اعظم" ہے جس سے سنہ وفات ۱۹۳۴ء برآمد

ہوتا ہے۔ مولانا سبط حسن کے معاصر ایک دوسرے نامور خطیب تھے مولانا محمد رضا مرحوم۔ جن کی تقاریر میں فلسفیانہ رنگ غالب ہوتا تھا۔ گویا مرثیہ کے میدان کے ماتند آسمان خطابت پر بھی بیک وقت دو آفتاب درخشاں ہوئے انیسِ خطابت سبطِ حسن تھے تو دبیرِ خطابت محمد رضا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ مرثیہ گوئی گوشہ گیر ہوتی گئی اور میدان بیان فضائل ومصائبِ اہلبیت پر شہسواران خطابت کا قبضہ ہوتا چلا گیا۔ ان نامور خطباء کے تفصیلی بیان کے لئے ایک دفتر درکار ہے مگر میں یہاں اختصار کی کوشش کے باعث محض دو ایسے واقعہ لکھنا چاہتا ہوں جو میرے علاوہ اب شاید ہی کسی کو معلوم ہوں۔ ان میں سے ایک کا تعلق میرے والد مرحوم سے ہے اور دوسرے کا مجلسِ شامِ غریباں سے یعنی ایک کا تعلق ایک خطیب عزاء سے اور دوسرے کا تاریخ عزاء سے۔

میرے والد مولانا سید کلبِ حسین مرحوم اپنے عصر کے صاحبِ طرز خطیب ہوئے اور صفِ اول میں جگہ حاصل کی مگر ان کی خطابت کی ابتدا اتفاقی طور پر ہوئی تھی یہ واقعیت شاید کسی کو بھی نہ معلوم ہو۔

یہ بات حقیر سے خود مرحوم نے فرمائی تھی کہ ان کے خواب وخیال میں بھی خطابت نہ تھی۔ حسینیہ غفرانمآب کی مجالس میں ایک حدیث خواں ذاکری کیا کرتے تھے۔ محرم سے چند دنوں قبل اچانک انکا انتقال ہوگیا۔ یہ

زمانہ والد ماجد کے عنفوانِ شباب کا تھا۔ فرمایا کہ "ان کا انتقال ہوا تو والد مرحوم (یعنی راقم کے جد مرحوم مولانا آقا حسن) نے کہا کہ "کبّن (یہ عرفیت تھی) اس سال امام باڑے کی مجلسیں تم کو پڑھنا ہیں۔" فرماتے تھے کہ "یہ سن کر میں سکتہ میں آگیا۔ مگر سرتابی کہاں ممکن تھی۔" تو پہلے سال کی مجلسیں یوں پڑھیں کہ ایک لمبے رجسٹر پر مسودے لکھے، اتنی ہمت نہ تھی کہ مجمع سے آنکھیں چار کرسکتے اس لئے وہ رجسٹر منھ کے بالکل سامنے رکھ کے گویا لکھی مجلسیں سنایا کرتے تھے۔

یہ تھی اس نامور خطیب کی خطابت کی ابتداء جس نے آگے چل کر خطیبِ اعظم مرحوم کے دور ہی میں اپنے منفرد طرزِ خطابت کا لوہا منوالیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کو اکثر خود اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کا علم نہیں ہوتا۔ والد مرحوم طویل القامت تھے، ورزشی بدن تھا۔ آواز ایسی عجیب وغریب تھی کہ قریب بیٹھنے والوں کی سماعت پر بار نہ ہوتی تھی مگر بغیر لاوڈ اسپیکر کے بھی ہزاروں کے مجمع کے آخری سرے تک فضائل ومصائب کے واہ اور آہ کے ہنگاموں سے گزرتی ہوئی مجلس کی آخری فرد تک پہنچ جاتی تھی۔ زبان انتہائی سادہ مگر غضب کی تاثیر رکھنے والی تھی۔ فرماتے تھے کہ میں نے اپنی زبان "طلسم ہوش ربا" سے مانجھی ہے اور انیس کے مرثیوں سے اسے جِلا بخشی ہے۔

شام غریباں جو ہندوپاک بلکہ ہندوستانیوں اور پاکستانیوں کی عزاداری (خواہ وہ کسی خطہ ارض میں ہوں) کا جزو لازم بن گئی ہے اسکی ابتداء ۱۹۲۴ء میں لکھنو میں ہوئی۔ میرے والد مرحوم اس بات کے ناقل ہیں کہ ۲۴ء کا عاشور تھا، "حسینیہ غفرانمآب کی عصرِ عاشور کی مجلس ختم ہو چکی تھی مغرب کا وقت قریب آرہا تھا۔ اہلِ خاندانِ اجتہاد اور بعض دیگر افراد جن میں اتفاق سے کچھ ایرانی مہمان بھی تھے امام باڑے کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے کہا کہ ایک مجلس اس وقت بھی ہو جائے۔ مجلس برپا ہوئی اور اس کا نام مجلس شامِ غریباں قرار دیا گیا اس مجلس کو میرے والد مرحوم کے حقیقی ماموں مولانا سبط محمد ہادی صاحب اجتہادی نے خطاب فرمایا۔ مولانا مرحوم (متوفی ۱۹۶۴ء) اپنے دور میں بیانِ مصائب کے بادشاہ سمجھے جاتے تھے، حسینیہ کا طویل وعریض خام صحن، اس میں جا بجا قبروں کے نشانات، جھٹ پٹا وقت اور پھر پڑھنے والا مصائب خوانی کا ماہر، یادگار مجلس ہوئی اور بہت مشہور ہوئی اس کے بعد اس مجلس کو والد مرحوم ۱۹۶۲ء تک پڑھتے رہے۔ غالباً ۱۹۴۴ء سے یہ مجلس مہاراجکمار محمود حسن خاں (آف محمود آباد) کی کوششوں سے آل انڈیا ریڈیو کے لکھنو اسٹیشن سے نشر ہونے لگی اور اس طرح اس کی مقبولیت نے برصغیر کو اپنے دائرے میں لے لیا۔ ۶۳ء میں والد مرحوم کے مرض الموت کے

دوران اس مجلس کو ناچیز نے پڑھا۔ پھر برادر مرحوم مولانا کلب عابد صاحب اپنے سالِ انتقال ۸۶ء تک اسے پڑھتے رہے اور اب ان کے فرزند عزیزی کلبِ جواد سلمہ اسے پڑھ رہے ہیں۔ مجھے کہنے میں کوئی باک نہیں کہ شام غریباں کی مجلسیں اب ساری دنیا میں ہوتی ہیں مگر جو لذتِ غم یہاں ملتی ہے وہ کہیں اور نہیں ملتی اور جو "شام غریبانیت" یہاں نظر آتی ہے وہ بس اسی حسینیہ کے لئے مخصوص ہے۔

(واضح رہے پورے لکھنو میں مجلسِ شامِ غریباں صرف یہی ایک ہوتی ہے بقیہ عزاخانوں میں صرف ۹ محرم ہی تک مجلسیں ہوتی ہیں)

۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہوا تو سابق مغربی پاکستان اور حال کے پاکستان نے نامور خطیب ہندوستان سے درآمد بھی کئے اور خود بھی پیدا کئے۔ حافظ ذوالفقار علی شاہ، حافظ کفایت حسین، علامہ اظہر حسن زیدی اور خاص طور پر علامہ رشید ترابی نے فن خطابت کو اپنے اپنے منفرد انداز میں بام عروج تک پہنچایا اور اب بھی پاکستان بلند پایہ خطیبوں سے بالکل ہی خالی نہیں ہے۔ مگر غیر منقسم ہندوستان میں خطابت کی بنیاد عشق اہلبیت اور علمِ حدیث وقرآن پر تھی۔ مگر اب آہستہ آہستہ عشقِ آلؑ کی جگہ ہوسِ مال اور قرآن وحدیث کی جگہ سطحی خطابیات لئے جا رہے ہیں۔ جس کے نتیجے میں سستے مناظرے کا دروازہ کھل گیا ہے۔ مسلکی

اختلافی مسائل کا بیان علمی بنیادوں پر ہوتا، مثبت ہوتا، داعیانہ انداز پر ہوتا، توچنداں مضایقہ نہ تھا۔ مگر اکثر و بیشتر اس نے منفی رجحان اختیار کرلیا۔ زبان بھی کچھ معیار سے گر گئی۔ انداز بھی کچھ عامیانہ سا ہوگیا۔ اس قسم کے دو طرفہ مناظرے بازی کا بھیانک نتیجہ یہ ہوا کہ نظریوں کی جنگ ختم ہوگئی۔ اور نظریوں کی جگہ فرقوں نے لے لی اور ایک فرقہ دوسرے کے سامنے خم ٹھونک کر اور تلواریں سونت کر کھڑا ہوگیا اور پھر اس سے جو آگ بھڑکی اس کا بجھانا مشکل ہوگیا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہندوپاک دونوں جگہوں پر یہ رنگ اب پھیکا پڑتا جارہا ہے اور ان مجلسوں کو اب زیادہ پسند کیا جانے لگا ہے جہاں سے انسان صرف لطف لے کر ہی نہیں بلکہ کچھ سمجھ کر اٹھے اور جہاں سننے والے کو صرف مزا ہی نہیں روح و دماغ کو غذا بھی ملے۔

"کوثر نیازی"

کوثر نیازی مرحوم کا اصل نام کوثر علی نیازی تھا۔ لیکن وہ خود کہا کرتے تھے کہ میں "کوثر علی نیازی" تھا مگر "علی" رگ رگ میں اتر گیا اور میں صرف کوثر نیازی رہ گیا۔ روزنامہ جنگ کراچی میں میں ان کے کالم پڑھ کر اور ان کی متعدد تصنیفات کا مطالعہ کر کے ان کی قلمی صلاحیت کا پہلے ہی سے

معترف تھا۔ ۱۹۹۰ء میں ایوان غالب دہلی میں جشن مولیٰ علیؑ کا ویڈیو دیکھا تو صورت بھی دیکھی اور اندازِ تقریر سے بھی آشنا ہوا۔

متوسط قد، سڈول بدن، بھرا بھرا چہرہ، روشن آنکھیں، ستواں ناک اور بھرے بھرے رخساروں کے گرداگرد ہلکی ہلکی سیاہ ڈاڑھی کی روش، صورت دل میں کھپ گئی، آواز بھاری مگر بوجھل نہیں بلکہ دلکش، تقریر عشق مولیٰ میں ڈوبی ہوئی۔ صاف شفاف خوبصورت جس کے نکھار میں برمحل استعارات، نپے تلے، کنایات اور حسین تشبیہات نے اور اضافہ کردیا تھا۔ اس جشن میں مولانا کی تقریر ہی حاصل جلسہ قرار پائی۔ پھر ۱۹۹۲ء میں بہ تقریبِ تجدیدِ تعمیرِ مقبرہ انیس لکھنو میں جشن انیس کا موقع آیا تو دل چاہا کہ مولانا کو لکھنو والے بھی سن لیں اس لئے کہ مولانا پر لکھنو والوں کا بھی حق تھا، کوثر نیازی انیس کے دیوانے اور جوش کے عاشق تھے اور ان دونوں کو اسی مرحوم لکھنو نے پال پوس کر بڑا کیا تھا۔ چنانچہ مولانا تشریف لائے اور انیس پر ایسی تقریر کی کہ اس موضوع پر جو لوگ اپنے کو بجا طور پر اس منزل پر سمجھتے تھے کہ "مستند ہے میرا فرمایا ہوا" وہ بھی عش عش کر اٹھے۔ کاش ہادی عسکری صاحب سلسلۂ انیس پر بھی مولانا کے تقاریر کے مجموعہ کو جلد شائع کردیں۔

مولانا کوثر نیازی کی جشن مرتضوی میں ہونے والی تقاریر "مولیٰ علیؑ"

کے نام سے شائع ہو کر زبردست مقبولیت حاصل کر چکی ہیں۔اب سرکارِ سید الشہداءؑ کی بارگاہ میں مرحوم کے نثری خراج عقیدت کا گلدستہ " مولیٰ حسینؑ " کے نام سے شائع ہو رہا ہے۔ میں اس کے بارے میں کیا کہوں، بس پڑھئے، لطف اٹھایئے، غذائے روح حاصل کیجئے اور مرحوم کے تیسرے مجموعۂ تقاریر کا انتظار فرمایئے۔

سگِ بابِ اہلبیتؑ

سید کلبِ صادق

اُفق سے تا بہ اُفق سُرخیوں کا ہالا ہے
فضا میں جیسے کسی نے لہو اُچھالا ہے

شہیدِ انسانیت

اسلام کے ظہور سے قبل اور زندگی کے عالم شباب میں آنے سے قبل زندگی کے جتنے ادوار گزرے ان سب میں انسانیت کے عالم شباب کے ضمن میں آنے والوں نے اور جانے والوں نے اس کی آمد کی اور اس زمانے کی آمد کی خبر دی ہے۔ اطلاع دی ہے اس کی پیشگویوں کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اور آپ کی آمد کے بارے میں پیش گوئیوں سے بائبل بھری پڑی ہے اور یہ ایک ایسا موضوع ہے کہ جس پر بے شمار کام ہوچکا ہے بے شمار ریسرچ ہو چکی ہے اور اغیار بھی اس کے قائل ہیں۔ قائل نہیں تو کم از کم ان کا کوئی جواب نہیں دے سکے۔ ان کی کوئی تردید نہیں کرسکے۔ واقع کربلا بھی اصل میں اسی انسانیت کے عالم شباب کا ایک اہم ترین سنگ میل ہے بلکہ خود بعثت رسالت کا حصہ ہے۔ ہمارے ہاں مشہور کتاب سرّ الشہادتین میں واقعہ کربلا کو حقیقت

میں خود سرکار رسالت مآب کی شہادت ہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اگر حضور شہید ہو جاتے بہ نفس نفیس تو اسلام میں ایک ضعف کا پہلو سامنے آتا اور تکمیل نبوت میں اور کار نبوت میں کمی رہ جاتی۔ لیکن اگر آپ شہید نہ ہوتے تو پہلے انبیاء کی نسبت آپ کے مقام میں کمی کا احساس ہوتا اس لئے آپ کی شہادت کے بجائے آپ کے جگر گوشہ کو جو آپ ہی کے جسد اقدس کا حصہ تھا۔ جو آپ ہی کی شخصیت کا حصہ تھا، جو آپ ہی کا دل تھا اور جو آپ ہی کا پرتو تھا اس کی شہادت کے ذریعہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ وآلہ وسلم کو خود اس مقام شہادت پر فائز کر دیا اس لئے اس واقعہ کربلا کے بارے میں بھی تورات میں انجیل میں بائبل میں زبور میں صحیح اشارے ملتے ہیں۔ بائبل میں تو دریاے فرات کے الفاظ تک موجود ہیں اس کے کنارے پر ہونے والا یہ واقع اشارۃً مذکور ہے اور ویدوں پر تو کام لاہور میں ایک بزرگ نے کیا تھا جو بشارت احمدی کے نام سے ایک کتاب میں موجود ہے اور اس کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ وید میں اور دوسری کتابوں میں کیا کیا اس سلسلے میں پیش گوئیاں مذکور ہیں۔ کیونکہ یہ واقع ایسا تھا کہ حقیقت میں یہ کسی ایک مذہب کسی ایک ملک کسی ایک ملت کی میراث نہ تھا بلکہ پوری انسانیت کی میراث تھا اور حق و باطل کے درمیان ایک وجہ تفریق تھا اور ایک بنیادی مابہ الامتیاز امر تھا اسی لئے امام حسینؑ کی

شہادت اور قربانی کے بعد ایک ایسا فرق پیدا ہوگیا۔ حق و باطل کے درمیان کہ پھر واقعہ کربلا پوری انسانیت میں کبھی دھرایا نہیں گیا سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوب معلوم تھا اور یقیناً آپ کی مستقبل بین نظریں جان رہی تھیں اور دیکھ رہی تھیں کہ یہ واقعہ ہوگا، کہاں ہوگا، کس جگہ ہوگا، کون لوگ اس میں ملوث ہوں گے ، اس سرزمین کی مٹی تک آپ کو پیش کردی گئی تھی اور احادیث کی کتابوں میں مذکورہ ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے ایک شیشی میں وہ مٹی بند کردی تھی اور آپ نے فرمایا تھا کہ جس دن میرا بیٹا اس خاص مقام پر اللہ کے حضور جان کا نذرانہ پیش کرے گا اس مٹی کا رنگ تبدیل ہوجائے گا۔ یعنی وہ رنگ خونی ہوجائے گا، سرخ ہوجائے گا اور یہ روایت وہ نہیں ہے جو صرف ایک مکتبِ فکر کی کتابوں میں موجود ہے۔ عام طور پر بد قسمتی سے ایک مکتب فکر ہی کو امام حسینؑ کا اجارہ دے دیا گیا ہے مگر ایسا نہیں ہے خود اہلسنت کی کتابوں میں "مسند احمد ابن حنبل"، طبری، المستدرک، سرالشہادتین جیسی کتابوں میں ان پیش گوئیوں کے حوالے موجود ہیں جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہی وسلم نے اپنے بیٹے کی شہادت کی تفصیلات بیان کی۔ کسی واقعہ کی اہمیت تین حصوں میں منقسم ہوتی ہے ایک تو یہ کہ یہ کس کے ساتھ پیش آیا، کیوں پیش آیا، اور تیسرے یہ کہ کیسے پیش آیا۔ ان تینوں اعتبارات سے امام

حسینؑ کا یہ واقعۂ قربانی عدیم النظیر ہے۔ پوری تاریخ انسانیت میں عدیم النظیر ہے اور ان تینوں اعتبار سے دیکھا جائے تو امام حسینؑ کے ساتھ پیش آنے والا یہ واقعہ پوری انسانیت کی میراث ہے۔ اس میں ایثار و وفا قربانی اور حقوق انسانی کے لئے حق گوئی کے مظاہرے کی جو مثال پیش کی گئی ہے وہ کسی ایک ملت کا، کسی ایک قوم کا ورثہ نہیں ہے پوری انسانیت کا ورثہ ہے۔ اسی لئے حضرت جوش ملیح آبادی نے کہا۔

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

عظمتِ ذکرِ اہلبیتؑ

جناب علامہ رشید ترابی صاحب

مولانا توقیر زیدی صاحب، بزرگان محترم، دوستان عزیز

آج حقیقت ہے کہ میں تقریر کرنے کے ارادے سے حاضر نہ ہوا تھا۔ آج میں اپنی کمر میں شدید درد محسوس کر رہا ہوں۔ یہ درد کچھ مہینوں سے لاحق ہوا ہے اور میں سوچ رہا تھا کہ کمر کا درد کتنا ظالم ہوتا ہے! وہ کچھ ہی ہستیاں ہیں جو کمر کا درد برداشت کر سکتی ہیں۔

یہ صبر کی منزل تو حسینؑ کی منزل ہے، حسینیت کی منزل ہے، مگر میں یہاں آیا کہ حضرت علامہ کی تقریر اس درد کا درماں بنے اور میں یہ ذکر پاک ان کی زبان سے سنوں گا کہ

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا

اور میں خوش ہوں کہ علم میں ڈوبی ہوئی ایک تقریر میں نے آج سنی اور

اس پر بھی میں شکر گزار ہوں مجلس محبان محمدؐ وآلؐ محمدؐ کا کہ اس ذکر پاک میں شامل ہونے کی سعادت کا ایک موقع اس کے اراکین نے مجھے عطا کیا۔ یہ وہ ذکر ہے جو اپنا نتیجہ بھی آپ ہے جو خود مقصود ہے۔ اس سے نتیجہ نکلے تو سبحان اللہ وگرنہ یہ خود اپنا نتیجہ آپ ہے، یہ وہ لمحے ہیں، ذکر پاک کے لمحے ، کہ جن میں عبد اور معبود کے درمیان سے پردے اٹھ جاتے ہیں۔ جہاں عبد اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جو معبود کا مقام ہے۔ میں یہ سوچ سمجھ کر بول رہا ہوں، اور جہاں معبود اس مقام پہ آتا ہے جو عبد کا مقام ہے۔ کوئی مقام ایسا نہیں، فقط ایک مقام کے سوا۔ جتنی عبادات وہ سب کی سب عبد کے لئے خاص ہیں، جتنے اعمال ہیں وہ سب عبد کے لئے خاص ہیں، نماز میں وہ ذات واحد شریک نہیں ہو سکتی، روزہ عبد کا کام ہے معبود اس میں شریک نہ ہوگا، حج یہ عبد کا عمل ہے معبود کا عمل نہیں۔ مگر ایک مقام ایسا ہے کہ جہاں عبد اور معبود ایک ساتھ شریک ہوتے ہیں وہ مقام وہ ہے کہ قرآن کہتا ہے کہ اے اہل ایمان میں اور میرے فرشتے اپنے حبیبؐ پر سلام وصلوٰۃ بھیجتے ہیں تو تم بھی اس پہ سلام وصلوٰۃ بھیجو۔ میں خط نہیں کھینچ سکتا۔ فصل کا کہ یہ عبد کا عمل ہے یا معبود کا عمل ہے، مگر یہ وہ عمل ہے کہ جہاں عبدیت اس مقام پہ پہنچتی ہے کہ جو ذات صمدیت کا مقام ہے، اور مجھے کہنے دیجئے کہ اس میں بھی تحفظ ذہنی نہیں ہونا چاہئے۔ اس میں بھی کسی کا ڈر

نہیں ہونا چاہیے، کسی کا خوف نہیں ہونا چاہیے، کون کیا کہے گا اس کا خیال نہیں ہونا چاہیے۔ لوگ کہتے ہیں کہ سلام و صلوٰۃ جو محمدؐ و آلؐ محمدؐ پہ بھیجا جاتا ہے تو اس میں ہم سب شریک ہیں، آلؐ محمدؐ میں ہم سب ہما شما من و تو ہیں عاجز و خاکی گنہگار لشتم پشتم سب کے سب اس آلؐ کے اندر شریک ہیں۔ اگر یہ اتنا ہی بلند مقام ہے کہ خود خدا اس مقام کو اپنے لئے خاص فرماتا اور بندوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ بھی اس میں شریک ہوں اگر یہ مقامِ امتیاز اس رسولؐ پاک کا ہے تو اس امتیاز میں اگر سب شریک ہو گئے تو پھر یہ امتیاز کہاں باقی رہے گا؟ اس لئے میں نہیں جانتا کون کس احساس سے کسی ایمان سے سلام و صلوٰۃ بھیجتا ہے، لیکن میں تو اس ایمان اور اس احساس اور اس شعور کے ساتھ سلام و صلوٰۃ بھیجتا ہوں کہ یہ صاحب بیتؑ کے لئے ہے اور اسکے اہلبیتؑ کے لئے ہے۔ یہ ذکر پاک، یہ سلام و صلوٰۃ کی بات ہو، تو یہ تقاضہ کون کر سکتا ہے، یہ تقاضہ کیسے صحیح ہو گا کہ پھول کی بات کرو اور خوشبو کی بات نہ کرو، یہ تقاضہ کون کر سکتا ہے کہ درخت کی بات کرو مگر اس کے پھل کی بات نہ کرو۔ یہ تقاضہ کون کر سکتا ہے کہ چاند کی بات کرو مگر چاندنی کی بات نہ کرو اس لئے میں جب ذکر کرتا ہوں سلام کا صلوٰۃ کا ذکر کرتا ہوں محمدؐ کا تو آلؐ محمدؐ کو کبھی اس سے لئے جدا نہیں کرتا۔ میرے بزرگ مولانا متین نے دو حدیثیں پڑھیں (حدیث ثقلین کی دو

مختلف روایتیں) میں خوش ہوا کہ یہ ذکر بھی آیا وگرنہ یہ ذکر نہیں آتا۔ میں ان کو داد دیتا ہوں کہ یہ بات کی، انہوں نے برملا کی اور حضرت علامہ نے اس کی تشریح کی اور اپنے عالمانہ انداز میں کی، میں تو یہ سمجھتا ہوں جب کہ حضرت علامہ نے کہا کہ اگر ایک جگہ فرمایا کہ میں سنت چھوڑے جارہا ہوں اور ایک جگہ کہا کہ میں عترت چھوڑے جارہا ہوں، تو یہ دونوں ہم معنی ہیں، یہ دونوں مترادف ہیں، عترت سے سنت معلوم ہو گی اور سنت وہی مسلّم ہو گی جسے عترت سندِ جواز عطا کرے۔

ابھی ایک آیت قرآنی کا ذکر ہو رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بھیجا نور کو، کتابِ مبین کو، نور سرکار، کتاب مبین قرآن، قرآن موجود تو نور کی جگہ جب نور ہٹے گے گا تو نور کی جگہ پھر نور ہی لے گا۔ نور کی جگہ سنت لے گی؟ کہ جس کے بارے میں یہی بات معرض تعین میں پڑ جائے کہ وہ کیا ہے؟ نور کی جگہ نور آئے گا، اور وہ رہے گا۔ ہو سکتا ہے کبھی سورج پہ بادلوں کا سایہ پڑ جائے، پرچھائیاں پڑ جائیں وہ نظر نہ آئے مگر رہے گا۔ نور کی نیابت نور کرتا رہے گا، یہ الگ بات ہے کہ وہ کبھی نظر آئے اور کبھی نظر نہ آئے، مگر رہے گا، جیسے کے آفتاب بادلوں میں چھپ کر بھی آفتاب رہتا ہے اور وقت آتا ہے کہ بادل چھٹتے ہیں اور آفتاب نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔ وقت آسکتا ہے کہ وہ بادل چھٹیں جو ہجر کے بادل ہیں، وہ بادل چھٹیں جو

فاصلوں کے بادل ہیں، وہ بادل چھٹیں جو غیب کے بادل ہیں، وہ بادل چھٹیں جو مادّیت کے بادل ہیں اور پھر وہ آفتابِ عالم تاب طلوع ہو اور ساری دنیا بقعہ نور بن جائے۔ اس لئے میں نے کہا تھا حضرت علامہ! جب میں ہما شما سے سنتا ہوں کہ ہم اس زمین پہ نور کا نقشہ قائم کردیں گے اس زمین کو نورانیت سے بھردیں گے، تاریکیوں کو بھلا دیں گے، اجالوں کو پھیلادیں گے تو مجھے کبھی یقین نہیں آتا۔ "ہر مردے ہر کارے، ہر شخص یہ کام نہیں کرسکتا یہ کام وہی کرے گا جس کا یہ کام ہے۔ اور جب وہ کرے گا تو ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا یہ کام ہوگیا اور وہ وہی ہے جس کے بارے میں کہا میں عترت کو اور سنت کو تمہارے درمیان چھوڑے جارہا ہوں تو دونوں ہم معنی ہیں دونوں مترادف ہیں۔ سنت وہی ہے کہ جسے عترت سندِ جواز عطا کرے اور میں آج اگر اس ذکر پاک میں کچھ گھر والوں کا ذکر زیادہ کر رہا ہوں، گھر والے کا ذکر مکمل نہیں ہوسکتا جب تک اس کے گھر والوں کا ذکر نہ ہو۔ محبت اس سے معتبر نہیں اگر اس کی اولاد سے نہ ہو۔ میں کسی ایسے شخص کو اپنا محب ٹھرانے کے لئے تیار نہیں ہوں جو میرے بچوں سے محبت نہیں کرے۔ میں کسی ایسے شخص کو اپنا خیر خواہ نہیں سمجھ سکتا جو میرے بچوں کا میری اولاد کا خیر خواہ نہ ہو۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ محمدؐ سے محبت کا دعویٰ ہو اور آلؑ محمدؐ سے محبت میں کمی ہو اور پھر

وہ آلؑ کہ جو صرف نسبت ہی کی وجہ سے محترم نہ ہو بلکہ خود اپنے ذاتی کمالات کی وجہ سے بھی محترم ہو۔ دنیا میں جتنے انبیاء کرام آئے ان سب کو معجزات ملے۔ لیکن جو معجزے ہمارے آقا کو عطا ہوئے وہ کسی کو نہ ہوئے اور جو معجزہ آلؑ کی صورت میں آپ کو عطا ہوا وہ بھی کسی نبی کو عطا نہ ہوا۔ تاریخ کے یہ سارے ادوار دیکھیں۔ تاریخ میں جتنے خاندانوں کے تذکرے ہیں سب کھنگال ڈالو۔ آدم تا ایں دم، انسان اول سے لے کر اب تک اور قیامت تک جتنے خاندان آئے جتنے آئیں گے، ماضی حال مستقبل سب زمانوں پہ اپنی بات کو پھیلا کر کہہ رہا ہوں۔ جتنے خاندان آئے خدا کی قسم کوئی خاندان ان میں ایسا ہے جو شجاعت میں ممتاز ہو، کوئی خاندان ایسا ہے جو سخاوت میں ممتاز ہو، کوئی خاندان ایسا ہے جو علم میں ممتاز ہو۔ کوئی خاندان ایسا ہے جو حسن میں ممتاز ہو، کوئی خاندان ایسا ہے جو کمال میں ممتاز ہو لیکن کوئی خاندان ایسا نہیں جو ساری خوبیوں کا جامع ہو۔ وہ صرف ایک ہی خاندان ہے۔ خاندان نبوت۔ جس خاندان کے اندر ہر وہ خوبی ہے کہ جس خوبی سے آدم شناسا ہے اور ہر وہ خوبی ہے جس سے ابھی تک آدم شناسا نہیں ہے، یہاں صداقت بھی دیکھو گے، شجاعت بھی دیکھو گے، علم بھی دیکھو گے، عمل بھی دیکھو گے، حسن بھی دیکھو گے، کمال بھی دیکھو گے، جمال بھی دیکھو گے، یہاں تم امامت بھی دیکھو گے، یہاں تم دنیا

کی ہر وہ خوبی دیکھو گے کہ زمانہ جسے دیکھنے کے لئے چاہتا ہے۔ میں جانتا ہوں کچھ لوگوں کا کہنا ہے بعض ناقدین کا کہنا ہے، بعض مورخین کا کہنا ہے، ایک چیز کی کمی تھی، مجھے اس کا ادراک ہے۔ کہتے ہیں اس خاندان کو سیاست نہیں آتی تھی۔ ایک چیز کی کمی تھی، ہاں حقیقت ہے اس خاندان کو سیاست نہ آئی وہ سیاست اسے آنی بھی نہیں چاہیئے تھی جو میکیاولی کی سیاست ہے۔ وہ سیاست آنی بھی نہیں چاہیئے تھی جسے زمانہ دجل ومکر وفریب کے عنوان سے جانتا ہے۔ یہ سیاست کہ جو فریب کاری ہے۔ اس سیاست کا گزر واقعی اس خاندان میں نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ اس میں تو صاف سیدھی بات ہے۔ اس میں کوئی لاگ لپیٹ نہیں، اس میں اسلام کے لئے، اس میں نظام اسلام کے لئے اگر کلمہ گویوں کا بھی مقابلہ کرنا پڑے۔ اگر ان کے بھی گلے کاٹنے پڑیں تو یہ مقدس ہے۔ اسلام مقدس ہے، جو آتا ہے حق کے اصول پر ہے وہ جو جاتا ہے جائے نہ جانے والے کی پروا ہے نہ آنے والے کی پروا ہے۔ پروا اگر ہے تو اسلام اور نظامِ اسلام کی پروا ہے۔ کہتے ہیں کہ فتح نہیں ہوئی۔ فتوحات ہوئیں مگر علیؑ کے عہد میں فتوحات نہیں ہوئیں تم ٹھیک نہیں کہتے ہو۔ بڑی فتوحات کے نام ہم گنواتے ہیں۔ سندھ کی فتح تک روم کی فتح تک ایران کی فتح تک۔ کتنے ہی مقدمات اس باب میں آتے ہیں۔ لیکن ہم بھول جاتے ہیں کہ بدر واحد کے

اندر اسلام کی عظمت کا پرچم لہرانے والا اگر اپنی ذوالفقار کو بے نیام نہ کرتا تو اس کی چمک روم اور فارس کے دروازوں تک کون پہنچاتا اگر خندق میں عمر بن عبدود کے مقابلہ میں نکل کر اس کو دو نیم کوئی نہ کر دیتا تو پھر سندھ کے ریگ زاروں تک کسی کے پہنچنے کی توقع ہی کیا ہوتی ؟ اگر خیبر کا قلعہ ہی سر نہ ہوتا تو پھر دنیا کے دوسرے قلعوں کو سر کرنے کی امید ہی کہاں باندھ سکتے تھے ؟ تم کیسے اس سے Credit چھین سکتے ہو جس نے ایک عمارت کی بنیاد رکھی ؟ اگر بنیاد نہ ہوتی تو عمارت کا تصور کیسے بنتا۔ اگر علیؑ کی فتوحات تاریخِ اسلام میں شامل نہ ہوں تو خدا کی قسم تاریخِ اسلام کا وجود ہی باطل ہے۔ تو جناب والا! جیسا کہ میں نے کہا تقریر کرنا آج میرا مقصد نہیں۔ میں تو اس ذکر پاک کے ان مبارک لمحوں میں ساعتوں میں شریک ہونے کے لئے آیا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ نظام تعلیم پہ تمہاری بحث نظر سے گزری۔ مگر یہ بھی تو بتانا چاہئے کہ جو ہے اگر وہ غلط ہے تو پھر کیا ہونا چاہئے۔ آپ نے صحیح کہا، مگر ہر شخص ہر کام نہیں کرتا۔ ہر شخص سے ہر کام کا اصرار صحیح نہیں۔ وہ بھی خدمت کرتا ہے جو راہ چلنے والے کو یہ بتا دے کہ تم جس راستے پہ جا رہے ہو یہ غلط راستہ ہے۔ وہ بھی خدمت انجام دیتا ہے، جو یہ بتا دے کہ یہ راہ جس راہ پہ تم جا رہے ہو یہ منزلِ مقصود کی طرف نہیں جاتی۔ ضروری نہیں کہ وہ یہ بھی بتا سکے کہ منزلِ مقصود کون

سی ہے۔ تو پھر اس کے لئے حضرت علامہ آپ ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو یہ بتا سکتے ہیں کہ اگر یہ راستہ غلط ہے تو پھر منزل مقصود کو راستہ کون سا جاتا ہے ؟ میں تو کہتا ہوں آپ نے جو راستہ بتایا قرآن کا راستہ ہے، قرآن کی بنیاد پر نظام تعلیم کا راستہ ہے بالکل صحیح، مجھے وہ بات یاد آرہی ہے جو بات میں نے کتنی دفعہ اسی اسٹیج سے کہی۔ مگر وہ مقام کب آئے گا ؟ یہ بات بہت آسان ہے بہت دل کو لگتی ہے یہی بات ہے اور کوئی بات نہیں یہی حق ہے یہی صداقت ہے مگر یہ منزل آئے گی کب ؟ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ یہ منزل اس وقت آئے گی جب پڑھانے والوں اور پڑھنے والوں کے اندر یہ تفرقہ ختم ہو جائے گا کہ محمدؐ کا ذکر کرنے کی آزادی ہے لیکن آلِ محمدؐ کا ذکر کرنے کی آزادی نہیں۔ آپ مجھ سے کہہ دیں کہ تم صاحبِ اختیار ہو، ایسا کر دو، کاش میں ایسا کرتا کاش کہ ذہنوں کے افق اتنے وسیع ہوتے! کاش مریض کا نظام ہضم اتنا معتبر ہو جاتا کہ وہ یہ ڈوز (Dose) برداشت کر سکتا۔ حضرت علامہ! یہ ڈوز بہت سخت ہے۔ آپ نے غور فرمایا ہے یقیناً فرمایا ہے ذکر بہت سوں کا ہوتا ہے۔ ہوتا آیا ہے۔ ہوتا رہے گا۔ اس دیس میں گرونانک کا بھی ذکر ہوتا ہے۔ مجھے کبھی اطلاع نہیں ملی کہ کسی طرف سے صدائے احتجاج بلند ہوئی ہو۔ میں خوش ہوں کہ یہ اطلاع نہیں ملتی، اسلئے کہ میں گرونانک کی عظمت کو بھی خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔

اس دیس میں دیوالی کے تہوار بھی ہوتے ہیں، رام چندر کو بھی خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے اچھا ہے پیش کیا جاتا ہے۔ مگر کہیں سے مجھے احتجاج کی قرارداد موصول نہیں ہوتیں۔ اسی دیس میں کرسمس بھی منایا جاتا ہے۔ مسیح کی یاد بھی منائی جاتی ہے اور حضرت علامہ! ٹیلی ویژن پر تو حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھاتے بھی دکھاتے ہیں کہ عیسائی چاہتے ہیں اس لئے دکھادو۔ مگر مجھے کبھی کوئی احتجاج کی قرارداد موصول نہیں ہوئی۔ لیکن یہ کیا ذکر ہے، یہ کیسا ذکر ہے کہ یہ جب ہوتا ہے تو یزیدیت کی رگ پھڑک اٹھتی ہے۔ یہ کیا ذکر ہے، کہ کلمہ گو کے، حسینؑ کے نانا کے معاشرے میں حسینؑ کے نانا کو ماننے والے اس کا کلمہ پڑھنے والوں کے معاشرے میں، اس ذکر کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کرتے۔ کیا سیاہ پرچموں سے ڈر آتا ہے مگر یہ پرچم ہر رنگ کے پرچم ہیں، سرخ پرچم، سیاہ پرچم، شب وروز لہرائے جاتے ہیں شب وروز سیاسی پارٹیاں لہراتی ہیں شب وروز بچوں کے ہاتھوں میں ہم دیکھتے ہیں۔ شب وروز مختلف ماڈل بنتے اور بگڑتے ہیں۔ کبھی کسی کو تکلیف نہیں ہوتی۔ تو پھر کیا بات ہے؟ پھر یہ ذکر اس بات کا پیمانہ ہے کہ یہ ذکر ہوتا ہے اور اگر معاشرہ اس کو برداشت نہیں کرتا تو گویا یزیدیت موجود ہے یہ ذکر اس بات کا ثبوت ہے۔ حضرت مجھ پہ فتوے لگ جائیں۔ میں فتوے برداشت کرنے کا عادی

ہوں۔ میں خوفِ خلق کو شرک سمجھتا ہوں۔ سب عیب ہیں، سب خرابیاں ہیں، سب خامیاں ہیں مگر اپنی دانست کی حد تک ایک شاید خامی نہیں اور اسی پر نجات کا دارومدار و وسیلہ دیکھتا ہوں۔

ہزار عیب ہوں لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

جو دل پر ہے زباں پر لاؤں گا تو اس وقت قرآن کی بنیاد پر آپ کا مجوزہ نظامِ تعلیم حضرت علامہ رائج ہو گا اس معاشرے میں جب محمدؐ کے ساتھ آلؐ محمدؐ کا ذکر یہ معاشرہ برداشت کرے گا۔

کن برادرانِ یوسفؑ میں گھر کر حضرت علامہ! آپ اسلامی حکومت قائم کرنے چلے ہیں۔ خدا کے لئے ان سے پہلے اس بات کی ضمانت لے لیں یہ ذکر، یہ ذکرِ پاک، یہ کائنات کا ذکر، یہ وقت کا ذکر، یہ تاریخ کا ذکر، یہ آسمانوں کا ذکر، یہ زمینوں کا ذکر، یہ ہوا کا ذکر، یہ فضا کا ذکر، یہ علم کا ذکر ہے اس ذکر کو آخر کار پھیلانا ہے پوری کائنات پر چادر نور بن کر پھیلانا ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اس کو روک نہ سکے گی، روز قدم بہ قدم زمانہ اسی طرح جا رہا ہے اور یہ اس وقت جو میں نے خرابی کی نشاندہی کی حد تک بات کی ہے وقت آئے گا جب آپ جیسے مفکرین سے آپ کی قوم اکتساب فیض کرے گی۔ یہ قوم جو زندوں کی دشمن ہے یہ قوم جو مردوں کی قدر کرتی

ہے۔ آپ ایسا فاضل کسی اور قوم میں ہوتا تو خدا جانے کیا ہوتا۔

عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہلِ وطن
یہ الگ بات ہے دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ

مگر حضرت علامہ! آپ کی بات میں نے دل پہ نوٹ کی۔ آپ کا عالمانہ خطبہ فضا کی وسعتوں میں ارتعاش پیدا کرتا رہے گا۔ اور وقت آئے گا آنے والی نسل اس سے فائدہ اٹھائے گی۔ یہ ہی مستقبل کا علم ہے، یہ ہی مستقبل کی فکر ہے، اسی فکر میں عالم اسلام کی نجات ہے، اسی فکر میں عالم انسانیت کی نجات ہے، زمانے کو یہ فکر قبول کرنی پڑے گی اس فکر کو سینہ سے لگانا پڑے گا ہم سے اگر یہ کام سارے کے سارے لینا چاہتے ہیں تو پھر میں کیا عرض کروں آپ ہم سے کیا کیا کام لیجئے گا۔ آج میں آرہا تھا تو میں سوچ رہا تھا کہ آج سلطان فتح علی ٹیپو کا دن ہے۔ آج اس کا یوم شہادت ہے۔ آج کے دن سرنگاپٹم سے اسلام کا پرچم اتارا گیا۔ آج کے دن ٹیپو شہید ہوا، آج کے دن میسور کا چاند گہنا گیا، مجھے ڈر آتا ہے کہیں پاکستان آج عالم اسلام کا میسور تو نہیں؟ حضرت علامہ میں ڈرتا ہوں کہ ٹیپو کو جن جعفروں اور صادقوں کا سامنا تھا کہیں آج پاکستان کے میسور میں وہ کسی اور انداز میں اپنا رول تو ادا نہیں کر رہے۔ حضرت میسور کا قلعہ سر کر لیا انگریز نے، تو اس کے جرنیل نے کہا اب ہندوستان پر سالہا سال تک اسلام کا پرچم لہرانہ

سکے گا۔ اب ہمارے جھنڈے کو کوئی خطرہ نہیں۔ خدا کی قسم آج یہ پاکستان جتنا کچھ ہے عالمِ اسلام کا حصار ہے۔ یہ حصار کچھ طاقتیں چاہتی ہیں کہ نہ رہے۔ خدا نخواستہ یہ نہ رہا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ عالم اسلام میں کیا ہو گا۔ آج ہم اس میسور کی حفاظت کر رہے ہیں۔ آج ہم جعفروں اور صادقوں سے نمٹ رہے ہیں، آج ہم ان کا مقابلہ کر رہے ہیں، آج ذوالفقار علی بھٹو کا رول یہی ہے آج فتح علی ٹیپو کا جو رول تھا وہ ذوالفقار علی بھٹو کا رول ہے، وقت بتائے گا زمانہ بتائے گا، تاریخ گواہی دے گی۔ لیکن مجھے امید ہے کہ وہ ٹیپو شہید ہوا تھا یہ ٹیپو غازی بنے گا۔ آپ اس میدان میں ہمارا ساتھ دیجئے اس لئے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے ماننے والوں کی یہی راہ ہے۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آسکتی کہ محمدؐ والِ محمدؐ کے ماننے والے ان عباؤں اور قباؤں والوں کا ساتھ دیں گے جنہوں نے خون حسینؑ کے قتل نامہ پر دستخط کئے تھے۔ جنہوں نے اس زمانے میں بھی بادشاہت کو سہارا دیا تھا اور جو آج بھی سرمایہ دارانہ سیاست کو اس کی گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دے رہے ہیں۔ میں نہیں مان سکتا کہ شہید کربلا کا ماننے والا سرمایہ دار اور ملوکیت پسند سیاست کا حامی ہو گا۔ اس لئے آیئے آپ یہ کام کیجئے، ہمارے ساتھ مل کر یہ کام ہو جائے گا۔ حضرت! تو وقت آئے گا قرآن کی بنیاد پر نظامِ تعلیم بنے۔ میں معذرت خواہ ہوں حضرت! کہ میں آج تقریر نہیں کرسکا۔ آج میرا پروگرام تقریر کرنے کا واقعتہً نہیں تھا۔ میں آج اس ذکر پاک کی پرکیف

لمحوں میں شریک ہوا اور علامہ صاحب کی زبان سے یہ علم بھرے الفاظ سنے،
میں بہک گیا، میں دور چلا گیا، مجھے احساس ہے کہ میں اہلبیتؑ کی طرف زیادہ
چلا گیا اور میں زیادہ گھر والوں کی طرف چلا گیا مگر یہ جرم ہے میرا جو پرانا ہے
اور یہ جرم وہ ہے کہ جس کا میں ہمیشہ سے اقراری مجرم رہا ہوں اور یہ وہ جرم
ہے جس کی بنیاد پر میں اپنے آقا سے ان کا دامن پکڑ کر شفاعت طلب کروں
گا اور اس شعر پر میں اپنی تقریر ختم کرتا ہوں کہ:۔

کوثر مجھے اس جرم سے انکار نہیں ہے
شیدا ہوں دل و جاں سے میں اولاد علیؑ کا

یہ نہ ہوتے تو زمانے میں اندھیرا ہوتا

علامہ عقیل ترابی صاحب

محترم عطا حسین صاحب اور برادران عزیز

مجھے سب سے پہلے اس بات پر اظہار افسوس کرنا ہے کہ میں ۱۳ رجب کو آپ کے عظیم جلسہ میں شریک نہ ہوسکا، میں اس دن کوئٹہ میں تھا اور میرا پروگرام تھا کہ میں حاضری دوں لیکن اچانک وزیرا عظم (ذوالفقار علی بھٹو) کی موجودگی کی وجہ سے ایک ایسی اہم مصروفیت درپیش ہوئی کہ میں یہاں نہ آسکا لیکن ایک بات جس کا میں نے بطور خاص تہیہ کیا تھا کہ آپ کے سامنے اس کا ذکر کروں گا اور وہ بھی اس رشتہ سے کہ

"خوگر حمد سے تھوڑا سا گِلہ بھی سن لے"

کہ اب یہ مجالس جو حسینؑ و علیؑ کے نام پر منعقد ہوتی ہیں اور جن میں

ہونے والے دیدہ و دل کی سیرابی کے لئے شریک ہوتے ہیں، ان میں آہستہ آہستہ اداروں کا Clash شخصیات کا تصادم، منتظمین کے جھگڑے نمایاں ہوتے جارہے ہیں۔ اس جلسہ میں آنے سے پیشتر مجھے کئی تار ملے کہ یوم حسینؑ کے جلسے میں نہ آؤ کہ یہاں فلاں کا جلسہ ہونا تھا وہ نہیں ہوسکا۔ اب وہ جلسہ کر رہے ہیں۔ یہاں یوم عباسؑ ہونا تھا، وہ درخواست منسوخ ہوگئی، انہوں نے اجازت لے لی، یہ مناسب نہیں کہ تم ان کے جلسہ میں جاؤ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ عباسؑ اور حسینؑ کا یوم الگ کب سے ہوگیا، دونوں کے ذکر میں دوئی کب سے ہوگئی میں نے تو یہ سمجھا تھا کہ حسینؑ کا ذکر عباسؑ کا ذکر ہے، اور جناب عباسؑ کا ذکر جناب حسینؑ کا ذکر ہے اور ان جلسوں میں اور ان مجالس میں تو سیاست در ہی نہیں آنی چاہیے، سیاست کا دخل ہی نہیں ہونا چاہیئے۔ ان جلسوں اور مجالس کا مقام تو ان سیاسی معاملات سے شخصی مفادات باہمی اغراض سے، ایک دوسروں کی مخالفتوں سے، رنجشوں سے، رقابتوں سے بلند تر مقام ہے۔ یہاں اس کا پرتو نہیں پڑنا چاہیئے، یہاں اس کی پرچھائیں نہیں پڑنا چاہیئے۔ کم سے کم حسینؑ و علیؑ کی مجالس کو ان سیاسی چپقلشوں سے بالاتر ہونا چاہیے۔ میرے دوستوں نے میرے پیغام کا ذکر کیا اور جناب علامہ عقیل ترابی نے "ذکر حسینؑ" کا ذکر کیا۔ میں نے اپنے شریک

پیغام میں کہا تھا کہ جو لاہور کے دوستوں کو بھیجا تھا کہ ذکر حسینؑ عبادت ہے اور یہ بات میں شرح صدر سے کہتا ہوں میں اہل سنت کے اجتماع میں بھی اسی وثوق سے یہ بات کہہ سکتا ہوں، ثابت کر سکتا ہوں۔ جس طرح میں شیعہ حضرات کے اجتماع میں یہ بات کہہ سکتا ہوں اور ثابت کر سکتا ہوں۔ یہ بات کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ کون ہے جو اس بات کو نہیں مانتا۔ شیعہ بھی مانتے ہیں سنی بھی مانتے ہیں، اپنے بھی مانتے ہیں بیگانے بھی مانتے ہیں، حسینؑ کا ذکر محمدؐ مصفطےٰ کا ذکر ہے۔ اگر کسی کو ذکرِ حسینؑ سے کچھ اجنبیت محسوس ہوتی ہے، کچھ وحشت محسوس ہوتی ہے، تو کم سے کم وہ اگر مسلمان ہونے کا نام ہی کا دعویدار ہے تو محمدؐ مصطفےٰ کے ذکر سے تو اسے وحشت نہیں ہو سکتی اور یہ طے ہے کہ حسینؑ کا ذکر محمدؐ مصطفےٰ کا ذکر ہے اور محمدؐ مصطفےٰ کا ذکر عبادت ہے تو حسینؑ کا ذکر کیسے عبادت نہ ہو اور سلام وصلوٰۃ تو خود پروردگار بھیج رہا ہے اور سلام وصلوٰۃ بھیجنے کی ہدایات کرتا ہے تاکید کرتا ہے اور کون مسلمان ہے جو درود شریف کو عبادت نہیں سمجھتا۔ عبادت کا مغز نہیں سمجھتا عبادت کی روح نہیں سمجھتا، نخلِ عبادت نہیں سمجھتا عبادت کی اصل اساس بنیاد نہیں سمجھتا۔ وہ درود کون سا درود ہے جس میں حسینؑ پہ سلام نہ ہو، جس میں حسینؑ پہ صلوٰۃ نہ ہو، درود اگر عبادت

ہے تو حسینؑ کا ذکر کیسے عبادت نہ ہو؟

ہوسکتا ہے کہ دوستوں کو خیال ہو شاید کراچی کے لوگ کم جانتے ہوں شمسی صاحب (مظفر علی شمسی لاہور) چلے گئے، انہوں نے کچھ شہادت دی، کچھ بات کی، مگر آپ بھی ضرور جانتے ہوں گے کہ یہ ان مجالس میں آمد کسی سیاسی مفاد کے لے تو نہیں، کسی سیاسی منفعت کے لئے تو نہیں، ہم نے اس وقت سیاست میں قدم رکھا تھا جب سیاست کا صلہ آہنی زنجیریں تھیں۔ ہم نے اس وقت ان مجالس میں قدم رکھا تھا۔ آج تو پھر وسعت پیدا ہوگئی ہے۔ آج تو پھر اہلسنت بھی آنے لگے ہیں اور علماء یہاں مشترکہ مجالس کرتے ہیں مگر ہم نے اس وقت آنا شروع کیا تھا جب ذکرِ حسینؑ پر جرم کا اطلاق زیادہ ہوتا تھا اور کسی حصول منفعت کا الزام کم لگتا تھا اور اس وقت جب ہم ذکر حسینؑ کرتے تھے ان مجالس میں اور لوگ ناک بھوں چڑھاتے تھے۔ میں نے اس زمانے میں یہ اعترافِ جرم کیا تھا کہ:۔

کوثر مجھے اس جرم سے انکار نہیں ہے
شیدا ہوں دل و جاں سے میں اولاد علیؑ کا

میں اقراری مجرم ہوں اگر یہ جرم ہے تو میں مجرم ہوں اس کا اقرار کرتا ہوں۔ اس زمانے میں ہم نے ذکر حسینؑ کی مجلسوں میں شرکت کی۔ آج کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ وزیر ہے، اسے تو سنیوں کے اجتماع میں بھی جانا

چاہیے۔ شیعوں کے اجتماع میں بھی جانا چاہیے۔ لیکن جب میں وزیر نہ تھا فقیر تھا اور اب بھی وزیر کم ہوں اصل میں فقیر زیادہ ہوں۔ اس زمانے میں یہ تو الزام نہیں لگ سکتا تھا اور ہم نے اس زمانے میں مجالس عزاء میں شرکت کی۔ اس زمانے میں ہم نے مجلسیں پڑھیں نثار حویلی کی مجلس لاہور میں پڑھی کون تھا جو کہ اس زمانے میں یہ جرات کرتا۔ اب میں خوش ہوں کے چراغ سے چراغ جلے ہیں۔ میں بہت سے نوجوان اہلسنت علماء کو دیکھتا ہوں کہ وہ ان مجالس میں آتے ہیں۔ ذکر اہلبیتؑ کرتے ہیں مجھے خوشی ہوتی ہے کہ جس رستے پہ ہم چلے تھے اب ہم اکیلے نہیں ہیں:۔

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں

یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

میں جانتا ہوں کچھ دوستوں نے، ایک عدد بزرگوار نے، ایک پمفلٹ لکھا ہے " ذکر حسینؑ " میری کتاب جس میں " خلافت معاویہ ویزید " نامی کتاب کا رد کیا گیا ہے اور پہلا موثر رد کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے بارے میں سیاق وسباق سے کاٹ کر جس طرح کہا جائے وانتم سکاری کو کاٹ دیا جائے اور کہا جائے کہ نماز کے قریب نہ جاؤ۔ ایسے میں ادھر ادھر سے حملے کاٹ کے دو چار باتیں جو ہیں اس کے اندر کہی گئی ہیں اور پھیلایا گیا ہے۔ سب سے پہلے تو میں بہت متاثر ہوتا ہوں ایسے پمفلٹ سے کہ اگر پمفلٹ

والے حصول مفاد کے لئے کاسہ گدائی لے کر ہمارے سامنے نہ آنے
والے ہوتے اور جب وہ آس پوری نہ ہوئی اور پھر جب ان کو کچھ نہ ملا تو پھر
پمفلٹ لکھا اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں تسلیم کرتا میں استفادہ کرتا۔ لیکن میں
جانتا ہوں کیوں لکھا گیا پمفلٹ، کس لئے لکھا گیا۔ اس لئے میں اس پہ رنجیدہ
نہیں ہوں میں خوش ہوں کہ لوگوں نے اس کو اتنی اہمیت دی کہ اس
کے بارے میں اس طرح کی پمفلٹ بازی کی گئی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ
جس کتاب نے " خلافتِ معاویہ ویزید " کی تردید کی اگر شیعیان علیؑ
شیعیان اہلبیتؑ نے بھی اس کتاب کے بارے میں یہ انداز اختیار کیا تو پھر
" خلافتِ معاویہ ویزید " کی ضبطی کے مطالبے کی کوئی حقیقت اور کوئی
معنی تو نہیں رکھتے۔ اور پھر یہ تو تسلیم ہے کہ میں اس طرح کا شیعہ نہیں جس
طرح کے آپ ہیں اور میری خصوصیت یہی ہے کہ مجھ میں بعض باتیں
ایسی ہیں کہ جو آپ میں نہیں ہیں۔ ہم میں اختلاف ہے بعض مسائل میں
اختلاف ہے۔ پوری طرح اگر ایک ایک لفظ میں اتفاق ہوتا تو پھر میں
باقاعدہ شیعہ ہوتا لیکن اب بے قاعدہ شیعہ ہوں اس لئے میری بات کا زیادہ
وزن ہے میری بات کا زیادہ اثر ہے۔ جب میں آپ کی کسی بات میں تائید
کرتا ہوں تو کہنے والا یہ کہتا ہے کہ ان میں سے نہیں ہے۔ مگر ان کی تائید کر رہا
ہے اگر آپ چاہیں کہ میں سارے معاملات میں آپ کی تائید کروں تو پھر
لکھنے

میرا وزن کوئی علیحدہ تو باقی نہیں رہے گا۔ میرا کوئی جداگانہ تشخص تو باقی نہیں رہے گا۔ یہ ہی تو اہمیت ہے کہ میں باہر ہوں اور پھر آپ کی تائید کرتا ہوں۔ میں نے پڑھا کسی نے مجھ سے کہا کہ عزاداری کے بارے میں بھی کہا ہے کہ دونوں نے انصاف نہیں کیا حسینؑ سے ہاں میں کہتا ہوں دونوں نے حسینؑ سے انصاف نہیں کیا، نہ ہم نے نہ تم نے، کسی نے بھی نہیں۔ حسینؑ مظلوم تھے مظلوم ہیں میں کہتا ہوں جو بات لکھی ہے وہ کہنے کے لئے تیار ہوں۔ عزاداری میرا جزو ایمان ہے، میں نے ان اجتماعات میں بات کی ہے اور مجھ سا آدمی جسکا دل خود مجروح ہے اور جو خود جوان اولاد کا زخم کھا چکا ہے○، اور جس کو غم حسینؑ میں سہارا ملتا ہے وہ غم حسینؑ کو کہے گا کہ یہ غم صحیح نہیں اور اس میں وہ جائز و ناجائز کی باتیں چھیڑے گا اور بحثیں چھیڑے گا؟ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ غم حسینؑ میں تمام غموں کے لئے پناہ ہے۔ جس کا بھائی اس کے سامنے موت کا جام پیئے اسے یاد رہنا چاہیئے کہ میں ہی اپنے بھائی کو الوداع نہیں کہہ رہا مولا شبیرؑ نے اپنے بھائی کے کٹے ہوئے بازو دیکھے تھے اور شبیرؑ بھی عباسؑ جیسے بھائی سے جدا ہوئے تھے۔ جس کسی کا جوان بیٹا اس سے جدا ہو جائے اس کے لئے یہ ہی تسکین بہت

○ اشارہ ہے (اس حادثے کی طرف جس میں مرحوم کے جوان فرزند فاروق نیازی جاں بحق ہو گئے تھے۔)

ہے کہ میں ہی تنہا غم زدہ نہیں ہوں اکبرؑ جیسا بیٹا بھی تو حسینؑ سے جدا ہوا تھا۔ جس کسی کا معصوم بچہ فوت ہوا اس کے لئے کیا یہ کم سہارا ہے کہ وہ سوچتا ہے کہ یہ زخم صرف مجھے ہی نہیں لگا علی اصغرؑ جیسے صاحب زادے کو حسینؑ نے بھی تو اپنی نگاہوں کے سامنے حلقوم میں تیر پیوست ہوتے دیکھا تھا۔ جس کسی کو اپنے پسماندگان کا خیال ہو اپنی بہن کی عزت کا خیال ہو اس کو یاد رہنا چاہیے کہ تنہا یہ مجھ پر ہی تو نہیں بیت رہا، حسینؑ کو بھی تو زینبؑ کی حیاداری کا اور اس کی پردہ داری کا خیال تھا۔ دنیا بھر کے غموں کے لئے یہ ایک غم وہ ہے جو ڈھال کا کام دیتا ہے، جو سپر کا کام دیتا ہے۔ کچھ لوگوں کا عقیدہ ہوگا میرا تجربہ ہے۔ میں جس عقیدہ پر تجربہ سے پہنچا ہوں ایسے عقیدہ کی تحریف کیسے کر سکتا ہوں؟ لیکن میں کہتا ہوں، جہاں حسینؑ کا غم ایک دولت ہے، ایک نعمت ہے، وہاں یہ ہی غم کافی نہیں کچھ لوگوں نے غلطی کی کچھ لوگ اس راستے پہ پڑ گئے جو خوارج کا راستہ تھا۔ اہلبیتؑ کے ساتھ جو عداوت کا راستہ تھا۔ انہوں نے فقہی بحثیں چھیڑیں کہ حسینؑ نے ایک قائم شدہ حکومت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ انہوں نے یہ بحثیں چھیڑیں اور ان بحثوں کا جواب اپنی ہی فقہ سے ان ہی کی فقہ سے اگر کوئی دے سکتا ہے تو میں دے سکتا ہوں۔ تمہارا دیا ہوا جواب معتبر نہیں ہو سکتا۔ جتنا میرا دیا ہوا جواب معتبر ہو سکتا ہے۔ میں نے

کہا وہ سراسر غلط ہے وہ اپنے ایمان کی خیر منائے ایمان ان سے بغاوت کر رہا ہے۔ حسینؑ نے تو یزید سے بغاوت کی ہو گی۔ لیکن دوسرے گروہ نے اگر عزاداری کو سب کچھ سمجھ لیا جو دولت ہے، نعمت ہے اور عمل کے میدان میں قدم آگے نہ بڑھایا حسینیت جس مقصد عظیم کے لئے پرچم کشا ہوئی، اگر اس کو سینہ سے نہ لگایا تو حسینؑ کا مشن کیسے آگے بڑھے گا، حسینؑ کا مشن کیسے پورا ہو گا؟ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ محض عزاداری سے حسینؑ کا مشن پورا ہو سکتا ہے، عزاداری ہو رہی ہے اتنی ہو چکی ہے کہ آنسوؤں کو جمع کیا جائے تو سمندر جاری ہو جائیں۔ اتنے آنسو گر چکے ہیں کہ شاید برسات میں بارش کے اتنے قطرے نہیں ہوتے۔ اتنے آنسو گر چکے ہیں کہ شاید دیوار چین کے اندر اتنے پتھر اور اینٹیں نہیں ہیں۔ اتنے آنسو گر چکے ہیں کہ زمین کے ذرے اور آسمان کے تارے گنے جا سکتے ہیں مگر حسینؑ کے غم میں گرنے والے آنسوؤں کو نہیں گنا جا سکتا۔ مگر اس کے باوجود اگر دنیائے عمل میں تبدیلی نہیں ہوتی، اس کے باوجود اگر انصاف قائم نہیں ہوتا، اس کے باوجود اگر حسینؑ کے نانا کا دین مظلوم ہے، اس کے باوجود اگر دنیاوی دولت سربلند ہے اور دینی امامت کو اگر ابھی تک لوگ پہچان نہیں سکے۔ اس لئے کہتا ہوں کے ابھی کچھ غلطی ہے کہ جس کو ہم نے پورا نہیں کیا۔ تو کیسے ہو سکتا ہے ذکر حسینؑ عبادت کیسے نہیں ہو گا اور

میں تو ممنون ہوں اپنے دوستوں کا کہ اس یوم ولادت میں مجھے آنے کا موقع دیا اس ذکر کا موقع دیا اور میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میرا حال یہ ہے کہ میں یہ یوم ولادت فقط ۳ شعبان ہی کو نہیں مناتا ہوں میں تو ۱۲ ربیع الاول کو بھی یہی یوم ولادت مناتا ہوں میں تو ۱۲ ربیع الاول کو بھی یوم حسینؑ سمجھتا ہوں۔ تین شعبان ہی کو میں یوم حسینؑ نہیں سمجھتا۔ اسلئے کہ حسینؑ اور محمدؐ کو الگ الگ نہیں کیا جاسکتا۔ جسمانی اعتبار سے الگ کیا جاسکتا ہے نہ روحانی اعتبار سے الگ کیا جاسکتا ہے اور اگر آپ نے فرمایا کہ وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ دونوں کا جب یہ رشتہ ہے تو دونوں کے دن کیسے الگ الگ سمجھے جائیں اور حقیقت یہی ہے کہ جیسا کہ دوستوں نے کہا کہ ختم نبوت کا جو مقصود تھا اور جو مطلوب تھا جو مشن تھا اس کا تعلق مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے لے کر کربلا کے میدان تک تھا۔ اگر ایک تاجدارِ ختم نبوت تھا تو ایک پاسدارِ ختم نبوت تھا۔ اگر ایک نے ختم نبوت کا پرچم بلند کیا تو دوسرے نے اس پرچم کو بلند رکھنے کے لئے جان دی اور نبوت کی حقیقت کیا ہے اور کیا رہ جاتی ہے اگر حلال کو، اس نبوت کے لائے ہوئے حلال کو حرام کر دیا جائے اور اس کے کئے ہوئے حرام کو حلال کر دیا جائے؟ تو پھر وہ نبوت برقرار کیسے رہ سکتی ہے؟ وہ نبوت قائم کیسے رہ سکتی ہے؟ یہی وہ نقطہ تھا کہ جس

کے لئے شہید ختم نبوت نے، حسینؑ نے کربلا کے میدان میں جان دی اور اپنے خون کے قطروں سے ختم نبوت کے عقیدے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ جاوید بنا دیا۔ اگر حسینؑ نہ ہوتے، اگر کربلا کا واقعہ نہ ہوا ہوتا، اگر عباسؑ علمدار نے، عباسؑ نامدار نے، عباسؑ کامدار نے اپنے بازوَ نہ کٹائے ہوتے، اگر چادر زینبؑ اسلام کا پرچم نہ بنی ہوتی اگر علی اصغرؑ کے حلقوم سے خون کا فوارہ ابل کر اسلام کے گلشن کو سیراب نہ کرتا، اگر علیؑ اکبر کی جوانی گلشنِ اسلام کے شباب کے کام نہ آتی تو پھر ذرا غور کرو نقشہ کیا ہوتا؟ پھر نقشہ یہی ہوتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا ہوا حرام حلال ہوتا اور ان کا کیا ہوا حلال حرام ہوتا اور نبوت کی حقیقت نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ اگر یہ دن نہ آتا تو پھر کیا ہوتا؟ پھر عید منانے والے کتنے باقی ہوتے؟ اور پھر بقرعید منانے والے کتنے ہوتے؟ اس لئے میں اس نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ دن حقیقت میں ان عیدوں کی بھی اساس ہے کہ جو عید کی صورت میں بقرعید کی صورت میں آتے ہیں اس لئے کہ اس دن میں اس عید میں کہ جو آج جشنِ ولادت کی عید ہے اس عید میں ان عہدوں کے اجرا اور تقدس کو بھی محفوظ کر دیا۔ کسی شاعر نے کتنا صحیح کہا۔ اس دن کے تقدس کے لحاظ سے اس جشن ولادت کے لحاظ سے کہ جشن میلاد کو میں بارہ ربیع الاول کا جشن میلاد سمجھتا

ہوں یہ دن نہ ہوتے نہ رمضان ہوتا اور نہ عید ہوتی نہ بقرعید ہوتی :۔

شرک اور ظلم نے اسلام کو گھیرا ہوتا

وہ نہ ہوتے تو اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا

جناب والا، میرے دوست نے اپنی تقریر میں ایک بات کی مجھے افسوس ہے کہ میں زیادہ نہ بول سکوں گا ایک جلسۂ عام میں مجھے جانا ہے اور میرے اہل حدیث دوستوں کا جلسہ ہے۔ میں وہاں جاؤں گا مگر وہ قرض ہے وہ میں ضرور چکانا چاہتا ہوں۔ انہوں ے مجھ سے چاہا، مطالبہ نہیں کیا، حق کی بات کی اپنے حقوق کی بات کی اور کہا کہ "دو باتوں پہ پابندی نہیں ہونی چاہیے ، امام بارگاہ پر اور عزاداری پر" میں نے تو خود آپ کو کہا میں یہاں کہہ چکا ہوں میں جب کچھ نہ تھا تب کہتا تھا اور جب کچھ ہوں تو کہتا ہوں اس لئے کہ کچھ ہوا ہوں تو اسی در کی بھیک کی وجہ سے ہوا ہوں :۔

اسد فیوضِ درِ مصطفیٰؐ کا کیا کہنا

بشر کو جو بھی سعادت ملی یہیں سے ملی

جو کچھ ملا اسی خانوادہ سے ملا جو بھیک میری جھولی میں ڈالی انہیں اہل سخا نے ڈالی۔ میں اپنی بات کو بدل نہیں سکتا، میں سوچتا ہوں اکثر حیران ہوتا ہوں جب یہ ملک سب نے بنایا اور علامہ صاحب مجھے معاف فرمائیں میں اکثریت اور اقلیت کی Terms کو نہیں مانتا۔ یہاں اکثریت اور اقلیت کا

کوئی سوال نہیں۔ یہ ملک سب نے بنایا۔ اگر اقلیت اور اکثریت کے انداز میں غور کرنا ہے تو پھر محمد علی جناح نے بنایا تو پھر اقلیت نے بنایا پھر اکثریت کو کہنا چاہیئے کہ ملک اقلیت نے بنایا اس نے بنایا جس کا تعلق ان سے تھا۔ اس لئے یہاں ہمیں حقوق ملنے چاہئیں۔ میرے دوست بدیع الحسن زیدی صاحب (وزیر حکومت سندھ) یہاں بیٹھے ہیں میں کہتا ہوں اکثریت اور اقلیت کا سوال نہیں ہم سب ایک ہیں ایک دریا کی موجیں ہیں، ایک ساز کے تار ہیں ہم ایک گلدستہ کے پھول ہیں ہم ایک ہاتھ کی انگلیاں ہیں ہم ایک جسم کے دو بازو اور دو ٹانگیں ہیں۔ ہم میں کوئی دوئی نہیں ہم میں کوئی بعد نہیں جڑیں ایک ہیں، شاخیں الگ الگ ہیں۔ ہم اکثریت اور اقلیت کے انداز میں نہیں سوچ سکتے۔ یہاں کوئی اقلیت نہیں ہے۔ بجز اس کے جس کا تعلق اسلام کی بنیاد اور اساس سے نہ ہو۔ جو اس سے منحرف ہو جائے۔ شیعان علیؑ اقلیت نہیں ہیں، اقلیت کی باتیں اوروں کے لئے کرو، ہم سب نے مل کر پاکستان بنایا ہے یہ سب کا ہے اور جب اس پاکستان میں عیسائی آزاد ہیں کہ حضرت مسیح کا دن منائیں اور کسی کو اس پہ تکلیف نہیں ہوتی سکھ آزاد ہیں کہ گرونانک کا دن منائیں اس پہ کسی کو تکلیف نہیں ہوتی۔ ہندو آزاد ہے کہ اپنے تہوار منائے کسی کو اس پہ تکلیف نہیں ہوتی تو کیا یہ ہی ایک ذکر ہے کہ جب ہوتا ہے تو یزیدیت

کی رگ پھڑک اٹھتی ہے اور شور برپا ہو جاتا ہے۔ کیوں اس ذکر سے تکلیف ہوتی ہے؟ جب رام چندر کے ذکر سے تکلیف نہیں ہوتی، کرشن کے ذکر سے تکلیف نہیں ہوتی، گرونانک کے ذکر سے تکلیف نہیں ہوتی، مسیح کے ذکر سے تکلیف نہیں ہوتی، حسینؑ کے ذکر سے کیوں تکلیف ہوتی ہے؟ اس لئے کوئی سوال نہیں ہے میں اس معاملہ میں یہ رائے رکھتا ہوں، جب تک اس ملک میں یہ وسعت قلب پیدا نہیں ہو گی، جب تک اس قدر ذہنی افق وسیع نہیں ہونگے، جب یہ فراخی دلوں میں پیدا نہیں ہو گی، جب تک یہ روشنی لوگوں کے ذہنوں میں کارفرما نہیں ہو گی کہ حسینؑ کا ذکر ہو گلی گلی ہو محلے محلے ہو، گھر گھر ہو اور کسی کو Law and Order کے لئے پولیس متعین کرنے کی ضرورت نہ پڑے اس وقت تک میں سمجھوں گا کہ اھل پاکستان کو اپنے ملک کو اسلامی حکومت کہنے کا حق نہیں پہنچتا۔ میں ذہنوں کی اس تیرگی سے لڑنے کے لئے یہ چراغ جلا رہا ہوں، یہ فراخی پیدا ہو، یہ حوصلہ پیدا ہو، یہ وسعت پیدا ہو اور پھر فکر کے محاذ پر لڑنے کے ساتھ ساتھ جب ضرورت ہو گی جب ذکر حسینؑ کے لئے پابندیاں دور کرانے کے لئے آپ مجھے کہیں گے میرا ووٹ آپ کے ساتھ ہو گا۔ میرا اثر آپکے ساتھ ہو گا اسلئے کہ میرا اثر جو کچھ ہے وہ حسینؑ کا صدقہ ہے۔ وہ حسینؑ کے بچوں کا صدقہ ہے۔ وہ حسینؑ کی شہادت کا صدقہ ہے۔

اِسلامی حکومت، کب اور کیسے ؟

جناب علامہ رشید ترابی صاحب

حضرات، علماء کرام اور حاضرین مجلس جی میں تھا کہ آج کچھ باتیں کروں گا اور کچھ دل کھول کر حضرت علامہ کے ارشادات سنوں گا۔ مگر جیسا کہ آپ کو بتایا گیا مجھے صدر مملکت ذوالفقار علی بھٹو کی طلبی پر اچانک لاہور جانا پڑ رہا ہے۔ اس لئے میں زیادہ وقت نہ لے سکوں گا اور اس کی بھی حسرت رہے گی کی علامہ صاحب کے ارشادات بھی پوری طرح سن نہیں سکا، تشنگی رہی، اجمال میں بھی گرچہ تفصیل کی لذت تھی مگر پھر بھی جی چاہتا ہے کہ کبھی تفصیل سے سنوں پھر آج مجھے یہ بھی احساس ہے کہ میں یہاں تگے سر ہوں ٹوپی کہیں گم ہوگئی۔ آتے ہوئے تامل ہوا پھر میں نے سوچا کہ اسٹیج تنہا، اگر محبان محمدؐ کا ہوتا تو ٹوپی رکھ کے جانا شاید لازم ہو جاتا مگر ساتھ

آلؑ محمدؐ کا بھی تذکرہ ہے تو اگر سیدہ زینبؑ کے سر سے چادر اتر سکتی ہے تو کوثر نیازی کے سر سے اگر ٹوپی اتر جائے گی تو کیا قیامت برپا ہو جائے گی؟ ایسی مجلس میں تو ننگے سر ہی جانا چاہیئے کہ ٹوپی رکھ کر جانا مجھے سوئے ادب معلوم ہوتا ہے۔ ایسے میں جس شخص کہ یہ جذبات ہوں اس سے اگر مولانا توقیر حسین یہ کہیں کہ جیسے حج کی پابندیاں ختم ہوئی ہیں ایسے زیارات پر سے بھی پابندیاں ختم کرنے کی کوشش کرو تو میں ان سے کہوں گا کہ میں ان لوگوں میں ہوں جنہیں ابھی تک یہ بات سمجھ میں نہ آسکی کہ جب محبان محمد کہہ دیا جاتا ہے تو زمانے کو کیا ہوگیا ہے کہ اس کے بعد آج آلؑ محمدؐ کا اضافہ کرنے کی بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ وگرنہ محمدؐ کو آلؑ محمدؐ سے علیحدہ کر کے دیکھا ہی نہیں جاسکتا۔ سمجھا ہی نہیں جاسکتا، مانا ہی نہیں جاسکتا، ضروری نہیں کہ درخت کے ساتھ اس کے پھل کا بھی تذکرہ ہو، ضروری نہیں کہ جب حسینؑ کہا جائے تو لازماً حسینیت بھی کہا جائے۔ حسینؑ کے ساتھ حسینیت لازم وملزوم ہے۔ سورج کے ساتھ روشنی لازم وملزوم ہے۔ درخت کے ساتھ پھل لازم وملزوم ہے۔ ایسے ہی محمدؐ کے ساتھ آلؑ محمدؐ لازم وملزوم ہیں۔ ان دونوں کو جدا نہیں کیا جاسکتا، ان دونوں میں فصل نہیں ان دونوں کے درمیان کوئی بُعد نہیں کوئی دوری نہیں کوئی مغائرت نہیں۔۔ ایک کو سمجھے بغیر دوسرے کو سمجھا ہی نہیں جاسکتا۔ ایک

تک پہنچے بغیر دوسرے تک پہنچا ہی نہیں جاسکتا۔ تو جس کا یہ عقیدہ ہو وہ یہ کیسے چاہے گا کہ بیت اللہ میں اور کربلا میں کوئی حد فاصل قائم ہو۔ بیت اللہ خدا کا گھر ہے لیکن کربلا نہ ہوتی تو خدا کا گھر کہاں ہوتا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہاں ہوتا، ہوتا کہ نہ ہوتا، لیکن بہرحال بات بحث کی ضرور ہے کہ کہاں ہوتا اور بیت اللہ تک پہنچنے کے لئے بھی تو کربلا کی راہ ضروری ہے۔ کربلا کی راہ سے بیت اللہ تک نہ پہنچا جائے تو کیسے کوئی بیت اللہ تک پہنچ سکتا ہے۔ تو کربلا کی راہ اور بیت اللہ کی راہ جدا جدا نہیں۔ تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ بیت اللہ کے رستے کھول دیئے جائیں اور جس رستے سے بیت اللہ تک پہنچا جاتا ہے اس کی راہیں مسدود کر دی جائیں۔ کربلا کی راہوں پر بھی پابندی نہیں رہے گی۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں، انشاء اللہ کربلا کے جانے کے لئے بھی زیارات کے جانے کے لئے اسی طرح کی سہولتیں دی جائیں گی جس طرح کی سہولتیں خدا کے گھر میں جانے کے لئے دی جاتی ہیں۔ میں حضرت علامہ صاحب کی بات پر بھی تبصرہ کرنا چاہتا تھا۔ سوئے ادب نہیں ہے۔ انہوں نے ٹھیک کہا کہ وہ پیپلز پارٹی کے نہیں، پاکستان پیپلز پارٹی تنگ نظر لوگوں کی جماعت نہیں ہے۔ آپ یقین مانیں اس کا لیڈر انتقامی جذبات سے بالا ہے، چند مہینوں میں اس نے ثابت کر دیا ہے اور آج تو وقت وہ نہیں ہے کہ پارٹی بازی کا مسئلہ ہو۔

وقت وہ نہیں ہے کہ سیاسی گروہ کا مسئلہ ہو، وقت وہ نہیں ہے کہ اپنے اپنے آشیانہ کی فکر کرنے کا مسئلہ ہو۔ آج تو پورے چمن کی حفاظت کا سوال ہے، آج تو پورے باغ کی حفاظت کا سوال ہے۔ باغ سلامت رہے گا تو آشیانہ سلامت رہے گا اور باغ ہی سلامت نہ رہا تو آشیانہ کس طرح سلامت رہے گا۔ اس لیئے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمیں اس سلسلے میں کوئی تحفظ ذہنی نہیں، اس مقصد میں پاکستان کے استحکام میں، پاکستان کے وجود کی جنگ میں، پاکستان کو مضبوط بنانے میں، پاکستان کے اندر ایک عادلانہ معاشرہ قائم کرنے کی جدوجہد میں جو کوئی بھی ہمارا ساتھ دے گا ہم اس کو سینے سے لگائیں گے۔ اس لیئے کہ یہ کام ہمارا نہیں ہے۔ حقیقت میں یہ وہ کام ہے کہ جو محبان محمد وآلؑ محمدؐ کا کام ہے۔

ہم نے اگر اسلامی مساوات کا نعرہ بلند کیا اور اسلامی سوشلزم کا نام رکھ دیا، ہوسکتا ہے کسی کو اردو کے لفظ سے عربی کے لفظ سے زیادہ پیار ہو انگریزی کے لفظ سے پیار نہ ہو، اپنے اپنے ذوق کی بات ہے مزاج کی بات ہے میں اصرار نہیں کرتا کہ انگریزی کا لفظ ہی ضرور پسند کرو۔ اگر پسند نہیں ہے تو اردو سے ترجمہ کرلو لیکن دوسروں کو حق دو کہ اگر وہ انگریزی سمجھانا چاہتے ہیں پڑھے لکھے لوگوں کو، بین الاقوامی دنیا کو اور اس کا ترجمہ وہ یوں کردیں، اس کا بھی حق دے دو۔ لیکن میں کہتا ہوں ہم نے جو مشن اپنے ہاتھ

میں لیا جو پرچم بلند کیا خدائے لایزال کی قسم کھا کے کہتا ہوں میرے لیڈر نے اس نیت سے وہ پرچم اٹھایا کہ یہ ہی وہ پرچم ہے کہ جو محمدؐ وآلؐ محمدؐ کے ہاتھ میں تھا۔

اگر عدل کسی چیز کا نام ہے اگر مساوات کسی چیز کا نام ہے، اگر ظلم واستحصال کے خلاف جہاد کسی کا نام ہے تو اس کے پرچم اسی گھرانے سے بلند ہوئے اور اگر غریب کی دلجوئی کی گئی تھی تو اسی گھرانے سے کی گئی تھی۔ اگر رزق حلال کا اہتمام کیا گیا تھا تو اسی گھرانے سے کیا گیا تھا، اگر مزدوروں کی سرپرستی کی تھی تو اسی گھرانے نے کی تھی۔ وہ مزدور کی سرپرستی کیسے نہ کرے گا کہ جس نے خود مزدوری کی ہو۔ جس نے خود رہٹ چلائے، جس نے خود یہودی کے ہاں محنت کی اور نان جویں کمائی۔ وہ کیسے مزدور کی سرپرستی نہ کرئے گا کہ جس کی زوجہ محترمہ نے خاتون جنتؑ نے خود چکی چلائی اور ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ تو یہ حقیقت میں وہی مشن ہے جو محمدؐ وآلؐ محمدؐ کا مشن ہے۔ اسلامی مساوات کا قیام، عدل کا قیام، سامراجیت کے خلاف، دنیا بھر کے ظلم وستم کے خلاف، پسے ہوئے انسانوں کو اٹھانے کے لئے گری ہوئی مخلوق کو اٹھانے کے لئے، ظلم کے خاتمہ کے لئے، جو آواز اٹھتی ہے حقیقت میں وہ محمدؐ وآلؐ محمدؐ کی اس اٹھائی ہوئی آواز کا پرتو ہے، اس کا ردعمل ہے۔ اس لئے آپ کیوں کہتے ہیں کہ یہ

پیپلز پارٹی کی بات ہے۔ یہ ہماری اجارہ داری نہیں ہے۔ یہ تو وہ راہ ہے جو خون اہلبیتؑ سے معطر ہے۔ یہ وہ راہ ہے کہ جس پر خون اہلبیتؑ کا چھڑکاؤ ہے۔ یہ وہ راہ ہے کہ جس پہ عونؑ و محمدؑ قربان ہوئے تھے، یہ وہ راہ ہے جس پہ عباسؑ علمدار کے بازو کٹے تھے۔ یہ مشن اگر ہم نے لیا ہے اپنے ہاتھ میں، تو ہم بھی غلامان محمدؐ و آلؑ محمد سے ہیں۔ ہم تو یہ توقع کرتے ہیں آپ سے کہ آپ ہماری مدد کریں گے۔ اگر محبانِ محمدؐ و آلؑ محمدؐ ہونے کا دعویٰ ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ وہ اسلامی نظام مساوات کے قیام سے ذرہ برابر بھی روگردانی کرسکتا ہے۔ رہیں الیکشن کی باتیں، الیکشن ختم ہوگیا اس زمانے میں ہوسکتا ہے کچھ غلط فہمیاں ہوں، کچھ لوگوں کی آنکھوں میں دھول پڑی ہو، اتنی دھول اڑی تھی کہ کچھ ذرے اچھی خاصی دیکھنے والی آنکھوں میں بھی پڑسکتے تھے۔ لیکن اب الیکشن ختم ہوگیا۔ چار پانچ مہینوں کے عمل نے بتادیا کہ وہ دشمنوں کی اڑائی ہوئی باتیں تھیں۔ اسلام کے ناموس کے لئے وقت آنے پر قربانی دینے کا اگر تقاضہ ہوا تو آپ دیکھیں گے کہ ذوالفقار علی بھٹو آگے ہوگا کسی سے پیچھے نہیں۔ لیکن ایک بات ضرور کہنا چاہتا ہوں۔ ایک بات ضرور کہنا چاہتا ہوں۔ صاف صاف کہنا چاہتا ہوں آپ بھی اگر مجھ سے وہ مطالبہ کریں گے مجھے مایوسی ہوگی، ہزار عیب مجھ میں ہیں، سرتاپا گناہ، سرتاپا معصیت، مگر ایک بات ہے جو دل میں ہے زبان پہ وہی

ہو گی، زبان اور دل میں فاصلہ نہیں ہے۔ میں اس لئے کوئی بات نہیں کہہ سکتا کہ کچھ لوگ مخالفت کریں گے ایسے میں ڈر جاؤں نہ کہوں اور اکثریت پسند نہیں کریگی بات کہنے سے ڈرجاؤں لوگوں کی پٹی ہوئی راہوں سے ہٹ کر بات ہو گی اس لئے کہنے سے باز آجاؤں لیکن اگر اسی کو حق سمجھتا ہوں تو کہوں گا اور آپ لوگ ہیں جو اس بات کو سمجھ سکتے ہیں لیکن اگر آپ بھی وہی پٹے ہوئے نعرے دھرانے لگے، پٹی ہوئی باتیں کہنے لگے تو پھر مجھے آپ کے بارے میں اپنے ظن پہ نظرثانی کرنی پڑے گی۔

میں حضرت علامہ سے مخاطب نہیں ہوں وہ میرے بزرگ ہیں۔ میرے دل میں ان کا احترام ہے۔ وہ ہمارے ملک کے منفرد خطیب ہیں اس لحاظ سے بھی ان کی عظمت ہے۔ میں آپ سب سے کہتا ہوں کہ جو محبان محمدؐ وآلِ محمدؐ ہونے کے دعویدار ہیں اور یہ صرف کسی ایک فرقے کا اجارہ نہیں ہے کوئی مسلمان ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ محبانِ محمدؐ وآلِ محمدؐ نہ ہو اس لئے میں سب سے مخاطب ہوں جس جس گروہ میں کوئی محب محمد وآلِ محمدؐ موجود ہے میں اس سے مخاطب ہوں میں کہتا ہوں کہ اگر مطالبہ تم مجھ سے یہ کرو کہ مذہبی حکومت قائم کرو۔ اس ملک کے اندر میں مذہبی حکومت قائم کرنے کے حق میں پاکستان میں نہیں ہوں۔ اس وقت تک نہیں ہوں جب تک ایسے لوگ موجود ہیں جو ایک دوسرے سے اختلاف

کرنے والوں کے بارے میں یہ تصویر پیش کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ شیعہ علیؑ مرتضیٰ کو خدا مانتے ہیں۔ جب تک اپنے فرقے کو فرقہ سمجھا جاتا ہے جب تک اسے مکتب فکر نہیں سمجھا جاتا، جب تک رواداری نہیں ہے، جب تک فراخدلی نہیں ہے، جب تک وسیع النظری نہیں ہے جب تک علم نکلنے پر جب تک تعزیہ برآمد ہونے پر ایمان خطرے سے باہر نہیں ہوجاتے، اس وقت تک اس ملک میں اگر آپ کہتے ہیں مذہبی حکومت قائم ہو تو میں اس کے حق میں نہیں مذہبی حکومت قائم کیجئے، مگر ان تعصبات کا پہلے خاتمہ کردیجئے، مذہبی حکومت قائم کیجئے مگر پہلے وسیع النظری پیدا کیجئے، فراخی اور فراخدلی پیدا کیجئے، وسعت پیدا کیجئے، ایک دوسرے کا احترام سیکھئے، ایک دوسرے کا احترام کیجئے اور اپنے اندر سے باہر کے لوگوں کو بھی مسلمان سمجھنا شروع کیجئے۔ جب تک یہ نہ ہوگا میں آپ کو کہتا ہوں کہ مذہبی حکومت کا نعرہ اس ملک کے لئے سم قاتل ہے۔ میں اسلامی حکومت چاہتا ہوں مذہبی حکومت نہیں چاہتا۔ مذہبی حکومت اسلامی حکومت نہیں ہوتی اسلامی حکومت مذہبی حکومت بھی ہوتی ہے۔ لیکن مذہبی حکومت ضروری نہیں کہ اسلامی حکومت ہو۔

تو حضرات گرامی! اسلامی حکومت اس وقت قائم ہوگی جب محبان محمدؐ وآلؑ محمد کی فکر عام ہوگی اور اسلامی حکومت کس کے ہاتھ سے قائم ہوگی کبھی کبھی آپ ماضی کے اندر بھی غوطہ زن ہوا کیجئے۔ کس کے ہاتھ سے قائم

ہو گی ؟ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ کچھ علماء سے تو میں تو علماء کا خادم ہوں مجھ سمیت کچھ لوگ صالحین سے لے کر ہم فاسقین تک ہم سے اگر سمجھتے ہوں کہ وہ اسلامی حکومت قائم ہو سکتی ہے جو موعودہ ہے تو پھر مجھے افسوس سے کہنا پڑے گا کہ پھر تمہیں کسی کا انتظار چھوڑنا پڑے گا۔

تو دوستو اپنے حصہ کا کام کرو وقت برباد نہ کرو۔ اپنے حصہ کا کام کرو، راہیں ہموار کرو، خس وخاشاک، کانٹے علیحدہ کرو، فکر ونظر کے کانٹے تنگ نظری کے کانٹے، فرقہ بندی کے کانٹے، فرقہ پروری کے کانٹے، ظلم وستم کے کانٹے استحصال وجہالت کے کانٹے، راہیں ہموار کرو تاکہ آنے والا آجائے پھر دیکھو گے اسلامی حکومت۔

یہاں تذکرہ کیا گیا ہے بی اے کی اسلامیات کا یہ کتاب تاریخ مذہب جو اسلامیات بی اے میں ہے (پریس نوٹ کرلے) اسلاملک اسٹڈیز جدید نصاب کے مطابق جو مسٹر شکیل احمد ضیا کی لکھی ہوئی ہے اور جس کے اندر شیعہ حضرات کے بارے میں اس طرح کے حوالے مجھے دکھائے گئے ہیں صفحہ نمبر ۱۰۰ پر کہ اس گروہ کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ نبی برحق بلکہ خدا ہیں مگر جبرئیل رسولؐ پر غلطی سے نزول کرتے رہے یہ کتاب انشاء اللہ یکم جون سے نصاب سے خارج کر دی جائے گی۔

اِسلام، حسینؑ کی نشانی

حضرات، علماء کرام، معزز حاضرین

آج ایک سال کے بعد میں پھر اس مقام پر کھڑا ہوں جہاں پچھلے سال ہم نے آپ نے مل کر سرکارؑ کے حضور میں خراج عقیدت پیش کیا تھا۔ مگر اس ایک سال میں بہت فرق واقع ہوگیا۔ نشتر پارک کی اس محفل میلاد میں اور اس محفل میلاد میں جو پچھلے سال جمی تھی، ایک بڑی کمی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ برات ہے مگر دولھا نہیں، میں دیکھتا ہوں کہ ذکر ہے مگر ذاکر نہیں، میں دیکھتا ہوں کہ قافلہ ہے مگر قافلہ سالار نہیں۔ علامہ رشید ترابی کیا اٹھے کہ انکے بعد حقیقت ہے کہ چراغوں میں روشنی نہیں رہی۔ کسی شاعر نے کہا تھا

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں
بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لئے

اور آج بھی اس بزم میں چراغ بہت جلے، مگر وہ روشنی نہیں ہوئی جو علامہ رشید ترابی کے دم قدم سے ہوتی تھی اور میرے دل میں علامہ مرحوم کا احترام اور ان کی محبت اس لئے تھی کہ وہ ایک نشانی تھے، وہ ایک علامت تھے، ذکر حسینؑ کی علامت تھے نشانی، ہو نہیں سکتا کہ نشانی والے سے پیار ہو اور نشانی سے پیار نہ ہو۔ وہ حسینؑ کی نشانی تھے اور حسینؑ محمدؐ مصطفےٰ کی نشانی تھے اور نشانی کو نشانی والے سے میں تو جدا کر کے کبھی نہیں دیکھتا۔ میرے دوست علامہ ابن حسن نجفی نے کچھ کہا میں نے اسے سمجھا وہ بھی نشانی ہی کی بات ہے اور اس بات کو ایک دل درد مند سے زیادہ اور کوئی نہیں جان سکتا۔ میرا عالم یہ ہے کہ میں گھر میں ان کپڑوں کو بھی سنبھال سنبھال کے رکھتا ہوں۔ پیار کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ جو کبھی میرے بیٹے کے بدن سے مس ہوتے تھے۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ نشانی سے محبت نہیں ہونی چاہیئے، اسلام نشانی سے محبت کی اجازت نہیں دیتا تو میں کہتا ہوں کہ یا تو اس نے اسلام کا مطالعہ نہیں کیا یا اسلام نے فطرت انسانی کا مطالعہ نہیں کیا اور میں یہ مان سکتا ہوں کہ کسی نے اسلام کا مطالعہ نہ کیا ہو، مگر میں یہ نہیں مان سکتا کہ اسلام نے فطرت انسانی کا مطالعہ نہیں کیا آپ کہتے ہیں کہ کربلا ایک نشانی ہے، اس کا احترام ہونا چاہیئے، اس کا احترام کرنے والوں کا احترام ہونا چاہیئے۔ میں نے اس سال ارادہ کیا تھا کہ میں

بھی جا کر سیدالشہداءؑ کے حضور سر عقیدت خم کروں گا۔ مگر میں نہ جاسکا، شاید اس کا میں نے بعد میں تجزیہ کیا کہ میں بہت سے قصد لے کے چلا تھا۔ حج کا قصد تو کوئی غیر کا قصد نہ تھا۔ یہاں کا راستہ تو کربلا سے ہو کے جاتا ہے۔ مگر بیچ میں کچھ اور ملک بھی پڑتے تھے۔ ارادہ انہیں دیکھنے کا بھی میرے دل میں تھا۔ شاید یہ نہ چاہا گیا کہ میں جاؤں اور قصد خاص کر کے نہ جاؤں بہت سے قصد لے کر ان میں سے ایک خواہش یہ بھی دل میں بسا کے جاؤں کہ وہاں جا رہا ہوں وہاں بھی چلا جاؤں گا جب سارا اہتمام تھا جب سارے وسائل تھے، جس صبح مجھے روانہ ہونا تھا اس سے ایک گھنٹہ پہلے مجھے یہاں بلا لیا گیا مگر میں نے جان لیا کہ جہاں جانا تھا انہوں نے سکھایا کہ جب آؤ تو پھر اسی ارادے سے آؤ۔ کوئی اور ارادہ ساتھ لے کر یہاں نہ آنا۔ تو کربلا جاؤں گا، انشاء اللہ جاؤں گا۔ آپ بھی جائیں گے، اس راستے میں میری زندگی ہے آپ کے وزیر اعظم (ذوالفقار علی بھٹو) کی زندگی ہے۔ تو انشاء اللہ کوئی تکلیف باقی نہیں رہے گی۔ آپ نے کہا کہ میں نے حج کے راستے میں اور بہت سے زیارت کے کاموں میں تسہیلات پیدا کیں لیکن میں نے تو آپ سے کہا کہ میرا ایمان تو یہ ہے کہ مدینہ کے سفر میں کربلا کا آنا بہت ضروری ہے۔ اقبال نے کہا:۔

"سفر بہ کعبہ نہ کردم کے راہ بے خطر است"

کعبہ کا سفر میں نے اس لئے نہیں کیا کہ راہ بے خطر ہے اور راہ اگر پُر خطر بنانی ہو تو اس کے لئے کربلا کا بیچ میں لانا بہت ضروری ہے۔ میں آپ کی توجہ دلانے پر عرض کرتا ہوں، جناب علامہ اگرچہ ابھی کچھ مرحلے باقی تھے لیکن میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ وہ زیارات کمیٹی جس کا ایک مدت سے تذکرہ تھا۔ مسلمہ شیعہ راہنماؤں پر مشتمل ۲۰ اپریل سے پہلے پہلے قائم ہونے کا اعلان کر دیا جائے گا۔ (آج ۱۳ اپریل ہے) یہ میں آپ کو اعلان کرتا ہوں اور یہ اسی لئے ہے کہ یہ نشانی کی بات ہے، اور نشانی والے کی بات ہے۔ یہ کربلا حسینؑ کی نشانی ہے۔ حسینؑ محمد مصطفےٰ کی نشانی ہیں اور حسینؑ اور محمدؐ کی نشانی دونوں کی نشانی اسلام ہے۔ سرکار دو عالمؐ نے اس اسلام کے لئے، اس نشانی کے لے کیا کچھ نہیں کیا اپنا وطن قربان کیا، پتھر کھائے، گالیاں سنیں، راہ میں کانٹے بچھتے دیکھے، جسد اقدس پہ اوجھڑیاں پڑتے دیکھیں، ہجرت کی، دندان مبارک شہید ہوئے جسم بھی دیا اور حسینؑ کی صورت میں دل بھی اسلام کی نذر کر دیا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ان سے محبت کا دعویٰ ہو، حسینؑ سے محبت کا دعویٰ ہو اور ان کی نشانی سے محبت نہ کی جائے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس نشانی کے لئے اسلام کے لئے، جو حسینؑ کی نشانی ہے جو حسین کے نانا کی نشانی ہے یہ ہی قدم نہیں جان بھی دینی پڑی تو دریغ نہیں کروں گا۔ آپ نے کہا کے روٹی اور مکان

ہی کافی نہیں کچھ اور بھی چاہیے۔ میں جانتا ہوں، جناب علامہ اسی توازن کو کھونے کا نتیجہ وہ گمرہی فکر ونظر ہے جو ہماری قوم میں پیدا ہوئی۔ کچھ لوگوں نے عقیدے ہی پر زور دیا جسم کے تقاضوں کو نظر انداز کر دیا۔ کچھ لوگوں نے جسم کے تقاضوں کو اجاگر کیا، روح کے تقاضوں کو پس پشت ڈال دیا۔ کسی نے یہ نہ جانا کہ عقیدے سے دل منور ہوتا ہے مگر عقیدے سے پیٹ نہیں بھرتا، اور کسی نے یہ نہ سمجھا کہ روٹی سے پیٹ بھرتا ہے مگر دل منور نہیں ہوتا۔ ہمیں روح کی جِلا کا سامان بھی کرنا ہے ہمیں عقیدے سے دل کی دنیا کو بھی روشن بنانا ہے اور روٹی سے پیٹ بھی بھرنا ہے۔ عقیدہ روٹی کے بغیر اور روٹی عقیدے کے بغیر یہ دونوں چیزیں ہمیشہ ساتھ ہیں۔ دونوں چیزوں سے مل کر وہ نظام بنتا ہے جسے اسلام کا نظام کہتے ہیں اور آج جب کہ ہم میلاد کی اس محفل میں جمع ہیں ہمیں یہ ہی عہد کرنا ہے کہ ہم یہ نظام قائم کریں گے۔ ہم روح کی اور جسم کی دونوں کی ضرورتوں کو پیشِ نظر رکھیں گے۔ ہم حسینؑ کی اور حسینؑ کے نانا کی نشانی کو سینہ سے لگائیں گے اور ہمیں اس کے لئے جان بھی دینی پڑی تو اس سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔

یزید مورچہ جیتا ہے جنگ ہارا ہے

عزیزِ گرامی جناب حنیف سولجر

وزیرِ مذہبی امور صوبہ سندھ

حضرت علماء کرام

حاضرین مجلس:۔

میرے نہایت ہی فاضل دوست لسانِ الملت حضرت علامہ عرفان حیدر عابدی نے میرے سیاست دان ہونے کی وضاحت کردی ایک عجیب شعر علامہ اقبال نے کہا ہے کہ عشق کی اور ولایت کی حکومت کیوں قائم نہیں ہوئی اور ہوئی تو کیوں زیادہ عرصے قائم نہیں رہ سکی اور کہا کہ

ہوئی نہ عام جہاں میں کبھی حکومت عشق
سبب یہ ہے کہ محبت زمانہ ساز نہیں

اب اس کے بعد کیا عرض کروں کہ علامہ عرفان صاحب کی تقریر نے بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے۔ میں نے زندگی میں بہت تقریریں کی ہیں مگر تقریر کرنے کا اور سننے کا جو لطف حضرت علامہ سید علی نقی ۔۔۔۔ حضرت علامہ رشید ترابی، حضرت علامہ کفایت حسین اور حضرت علامہ سید احسن زیدی کے ساتھ آیا وہ پھر کبھی نہ آیا۔

وہ صورتیں الہیٰ کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

اب جب کبھی عرفان حیدر عابدی کو سنتا ہوں تو خوشی ہوتی ہے کہ اب بھی ایسے نوجوان موجود ہیں۔

سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہونگیں کہ پنہاں ہوگئیں

اور ان کے اسی احترام اور ان کی صلاحیت اور ان کے جذبہ کے اسی احترام کی وجہ سے میں اپنی طبیعت کی ناسازی اور مسلسل سفروں کے باوجود یہاں حاضر ہوگیا۔ ایک تو ان کا حکم تھا اور دوسرے یہ تقریب جناب امام کے یوم ولادت کی مناسبت کی تقریب تھی۔ میر انیس نے کہا ہے۔

شعبان کی ہے تاریخ سوم روزِ ولادت
اور ہے دہم ماہ عزاء یوم شہادت

دونوں میں بہرحال ہے تحصیل سعادت
یہ بھی عمل خیر ہے وہ بھی ہے عبادت
مداح ہوں کیا کچھ نہیں اس گھر سے ملا ہے
کوثر ہے صلہ اس کا بہشت اس کی جزا ہے

تو یہ صلہ پانے کے لئے اور یہ جزاء حاصل کرنے کے لئے میں بھی حاضر ہوا ہوں شعبان کے بارے میں شاعروں نے بہت اچھے اشعار کہے۔ مجھے معلوم نہیں میں تحقیق نہیں کرسکا کہ شیعہ حضرات کے ہاں بھی یہ روایت ہے کہ نہیں مگر کتبِ اہلسنت میں ایک حدیث ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رمضان اللہ کا مہینہ ہے اور شعبان میرا۔ ایک ظاہری تشریح تو یہ ہے کہ رمضان میں اللہ کی طرف سے روزے فرض ہیں۔ یہ عبادت کا مہینہ ہے۔ اس میں کئی گنا اجر بڑھ جاتا ہے۔ نیکیوں کا، اور اس میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنا فرمانِ الٰہی ہے اور شعبان استقبال رمضان ہے اس لئے آپ اس میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرتے تھے۔ اپنے آپ کو رمضان کے لئے تیار کرتے تھے اکثر نفلی روزے رکھتے تھے۔ لیکن ہر کلام کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن اور اس حدیث کا بھی ایک ظاہر ہے ایک باطن اور اس کا باطن یہ ہے اور اس کی دقیق اور

غامضِ شرح یہ ہے کہ اس مہینہ کو شعبان کو آپ نے اس لئے اپنا مہینہ قرار دیا کہ اس میں وہ پیدا ہوا جس کے بارے میں آپ نے خود فرمایا ہے کہ حسینؑ منی وانا من الحسین

جس نے چالیس دن تک آپ کا انگوٹھا چوس کر غذا حاصل کی اور جس نے ذبح عظیم کے قرآنی فلسفہ کو شرمندہ معنی بنایا۔

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر

بسم اللہ کی "ب" پر فرمایا گیا کہ جتنی کتابیں اتریں ان سب کے علوم چار صحیفوں میں ہیں اور ان چار صحیفوں میں جو علوم ہیں وہ قرآن پاک میں ہیں اور قرآن پاک میں جو علوم ہیں وہ سورہ فاتحہ میں ہیں اور جو علوم سورہ فاتحہ میں ہیں وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں ہیں اور جو علوم بسم اللہ الرحمن الرحیم میں ہیں وہ "ب" میں ہیں اور جو "ب" میں ہے وہ "ب" کے نقطہ میں ہے اور جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا۔

انا نقطۂ تحت الباء

وہ نقطہ جو "ب" کے نیچے ہے وہ میں ہی تو ہوں۔ اقبال نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ۔

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنیٔ ذبح عظیم آمد پسر

اور وہ جو ذبح عظیم کا فلسفہ ہے۔ وہ بھی قرآن کو دیکھو تمہیں نظر آئے گا کہ وہ امتحان خلیلؑ تھا اور یہ امتحانِ حبیبؐ تھا اور امتحان بھی دونوں کے مرتبے اور مقام کے لحاظ سے تھا۔

کسی کو طور میسر کسی کو عرش نصیب
جدا جدا ہے تجلی نظر نظر کے لئے

امتحان بھی پیغمبروں کے مقام اور مرتبے کے لحاظ سے جداگانہ تھے۔ اس امتحان میں اسماعیلؑ بچ گئے اسی امتحان میں حسینؑ ابراہیم بھی بن گئے اور اسماعیل بھی بن گئے۔ ابراہیمؑ اس طرح بنے کہ اٹھارہ اسماعیل اپنے ہاتھوں سے زیرِ خنجر دے دیئے اور اسماعیلؑ اس طرح بنے کہ پھر آخر کار اپنے سر کا نذرانہ دے دیا۔ اسماعیلؑ کی عمر بارہ برس کی تھی اور جناب علی اکبر کی عمر اٹھارہ برس کی تھی مگر کیا ستم کی بات ہے۔ کتنے سنگین ہیں لوگ اس بات کو نہیں سوچتے کہ یہ دونوں قربانیاں ہیں اور اقبال کہتا ہے کہ یہ ذبح عظیم ہے۔ ایک قربانی کو یاد کرو تو وہ عبادت ہے اور اس قربانی کو یاد کرو تو یہ بدعت بن جاتی ہے۔ حالانکہ بات تو ایک ہی ہے ایک ابتداء ہے دوسری انتہا ہے۔

غریب وسادہ ورنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتداء ہے اسمعیلؑ

اور اس مہینہ میں وہ پیدا ہوا جس سے آپ کی نسل چلی۔

(انا اعطینک الکوثر)

کوثر کا ترجمہ مفسرین نے کیا "خیرِ کثیر" وہ خیرِ کثیر" حسینؑ ہیں اس لئے کہ کفار آپ کو منقطع النسل ہونے کا طعنہ دیتے تھے کہ آپ کی نسل منقطع ہوگئی ہے۔ آگے نہیں چلے گی۔ مگر منقطع النسل کون ہوا ؟ چودہ صدیوں میں جائزہ لے کر دیکھ لو میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ کوئی ابولہب سے اپنا شجرہ نسب جا کر ملائے بڑے بڑے محقق اور نام نہاد ریسرچ اسکالر پیدا ہوگئے جنہوں نے اہلبیتؑ کے خلاف شمر ذی الجوشن اور ابن زیاد و یزید کے مقدمہ میں وکیل صفائی کا کردار ادا کیا۔ مگر ان وکلاء صفائی کو بھی یہ ہمت نہیں ہوئی کہ وہ یزید سے اپنا شجرہ جا کر جوڑیں۔ مگر حسینؑ کی نسل آج بھی ہر شہر میں، ہر بستی میں، ہر قریہ میں، ہر قصبہ میں موجود ہے۔ اور لوگ بلا اختلاف مسلک ان کو سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں! ان کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناتے ہیں۔ تو وہ پیدا ہوئے جن سے آپ کی نسل آگے چلی اور اپنی نسل آگے چلانے کے لئے سرکار نے خود حسینؑ کو منتخب کیا۔ ورنہ ابراہیمؑ تھے، آپ کے صاحبزادے تھے۔ پیغمبرؐ چاہتا، اللہ سے درخواست کرتا تو ابراہیمؑ آپؐ سے جدا کر دیئے جاتے ؟ یہ خواہش کیا آپ

کی رد کر دی جاتی ؟ مگر نہیں۔ ایک عجیب روایت ہے۔ اور جو روایت سناؤں گا اہل سنت کی کتابوں سے سناؤں گا۔ اس لئے کہ شیعہ تو محبت اہل بیت کے معاملہ میں کچھ زیادہ ہی مجرم قرار دے دیئے گئے ہیں۔ شواہد النبوۃ صفحہ ۳۰۵ پر ایک روایت ہے، بڑی عجیب! لوگوں نے پڑھی ہو گی مگر سرسری اس سے گزر گئے۔ مگر اس میں بہت عجیب وغریب مفہوم ہے۔ کہا کہ آپ خاتون جنت کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ سرکار کی آغوش میں ابراہیمؑ بھی تھے اور حسینؑ بھی کہ جبریلؑ حاضر ہوئے اللہ تعالیٰ کا حکم سنایا کہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ ان میں سے ایک آپ کے پاس رہے گا، ایک آپ کو اللہ کو واپس لوٹانا ہو گا۔ آپ سوچتے رہے، یہ روایت ہے، سوچتے ہیں کہ حسین کو واپس کرتا ہوں تو فاطمہؑ کا دل بھی دکھتا ہے علیؑ کا دل بھی دکھتا ہے اور خود میرا دل بھی دکھتا ہے۔ اور ابراہیمؑ جاتے ہیں تو اس کے غم کا بوجھ زیادہ تر مجھ پر ہو گا۔ آپ کہلا دیتے ہیں کہ میں ابراہیمؑ کو بارگاہ ایزدی میں پیش کرتا ہوں۔ چنانچہ تین روز بعد ابراہیمؑ کا انتقال ہو جاتا ہے۔ جائے غور ہے یہ انتخاب آپ نے ویسے تو نہیں کیا۔ جناب حسینؑ میں پنجتن کا خون موجزن تھا اور پھر آپ کو آپ کی پیدائش کے وقت ہی یہ اطلاع دے دی گئی تھی کہ یہ میرا بیٹا امت کے ہاتھوں آگے چل کر شہید ہو گا۔ دین کا احیاء کرے گا۔ دین کو زندہ و پائندہ کرے گا اور جبرئیلؑ نے اس

سرزمین کی سرخ مٹی بھی لاکر آپ کو دکھادی تھی۔

حضرت ام الفضل، حضرت عباسؓ کی زوجہ محترمہ وہ کہتی ہیں کہ میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اطہر کا ایک ٹکڑا کٹ کر میری گود میں آگیا۔ میں بہت گھبرا گئی میں نے سرکار کی خدمت میں اگلے دن عرض کیا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو بڑا مبارک خواب ہے۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ میری بیٹی فاطمہ زہراؑ کے گھر میں بیٹا ہوگا اور وہ تمہاری گود میں آئے گا۔ حضرت ام الفضلؓ کہتی ہیں کہ ایسا ہی ہوا حسینؑ میری گود میں آگئے اور ایک دن میں نے انہیں سرکار کی گود میں دیا تو میں نے دیکھا کہ تھوڑی دیر کے بعد آپ کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔ میں نے پوچھا کیا ماجرا ہے سرکار؟ آپ نے فرمایا کہ ابھی جبرئیلؑ حاضر ہوئے تھے اور انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ میری امت میرے اس بیٹے کو شہید کر دے گی۔ اور پھر وہاں کی سرخ مٹی بھی انہوں نے لاکر مجھ کو دی ہے۔

اس طرح کی تیرہ پیش گوئیاں ہیں کہ جو سرکار نے آپ کی ولادت کے بعد کردی تھیں۔ اور یہ پیش گوئیاں کن کن کتابوں میں موجود ہیں "المتدرک ، ماثبت بالسنّۃ ، مسند احمد بن حنبل ، ابن اعساکر ، مشکوۃ ، اشعۃ اللمعات

ایک کتاب بھی شیعی نہیں ہے۔ یہاں سے وہ نام نہاد ریسرچ اور قیاس آرائیوں کی وہ تمام عمارت اور وہ تمام تبصرے وہ تمام جائزے خاک میں مل جاتے ہیں اور جن میں کہا گیا ہے کہ جناب امام کوفہ کیوں گئے تھے / جب انہیں روکا جارہا تھا تو کیوں چلے گئے ؟ یہ عقل و دانش کے خلاف تھا۔ آپ نے یہ سفر کیوں اختیار کیا تھا ؟ آپ دیکھیں ان لوگوں کی کتابیں تو یہ سارے تبصرے آپ کو ملیں گے۔

مگر انہیں یہ معلوم نہیں ہے۔ یہ سب کچھ تو پہلے سے طے تھا اور سرکار کو اس کی اطلاع دے دی گئی تھی کہ آگے چل کر یہ واقعہ پیش آنے والا ہے اور یہ دین کی حفاظت کے لئے ناگزیر ہے کہ تمہارا یہ بیٹا جام شہادت نوش کرے اور اللہ کے حضور اپنی جان کا نذرانہ پیش کرے۔

اس لئے بچپن ہی سے حسینؑ کی اٹھان اور تربیت ایسے ہوئی ہے کہ کسی بچے کی بلکہ میں کہتا ہوں میں نے تو کسی نبی کے بارے میں بھی ایسی روایت نہیں دیکھی کہ اس کی بھی اٹھان اور تربیت اس انداز سے کی گئی ہو اور اللہ اور اللہ کے رسول؛ نے اس میں دلچسپی لی ہو۔ اس قدر کہ بچپن ہی سے اس کو اس نہج پر اٹھایا جائے۔ کسی بچے کے کھیل کود کے مشاغل میں اللہ تعالیٰ نے دلچسپی لی ہے ؟ نزھت المجالس جلد دوم صفحہ ۲۲۳ پر ایک اور عجیب روایت ہے۔ حسنؑ اور حسینؑ میں خوش خطی کا مقابلہ ہوگیا۔

دونوں تختیاں لکھ کر لائے ہیں، جناب سیدہؑ کی خدمت میں پیش کی ہیں فیصلہ چاہتے ہیں کہ کس کا خط بہتر ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ باب مدینتہ العلم کے پاس لے جاؤ وہ اپنے والد کے پاس آتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں اپنے نانا کے پاس لے جاؤ وہ فیصلہ فرمائیں گے۔ نانا کے پاس لے کر گئے اور نانا کہ جن پر دو جہانوں کے فیصلہ کرنے پر بھی کبھی کوئی تامل کا لمحہ نہیں آیا تھا، وہ سوچ رہے ہیں کہ میں کیا کروں؟ کہ اتنے میں جبرئیلؑ آگئے۔ کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کا فیصلہ ہم کریں گے۔ یہ میں سات موتی لایا ہوں۔ یہ میں اوپر سے دونوں تختیوں پر گراؤں گا جس تختی پر زیادہ موتی گریں تو وہ زیادہ خوشخط تصور ہوگی۔ سات موتی ہیں تین ایک پر گرتے ہیں تین ایک پر گرتے ہیں۔ ساتواں رستے میں ٹوٹ جاتا ہے آدھا ایک پر گرتا ہے اور آدھا دوسرے پر۔ حسینؑ اور حسن کی خوشی کا اللہ کو اتنا پاس ہے۔ اور روضتہ الشہداء صفحہ ۰، پر ایک اور عجیب واقعہ لکھا ہے کہ جناب امام حسنؑ کی عمر پانچ سال کی ہے اور جناب حسینؑ کی چار سال دو ماہ کی۔ کیا اہتمام ہے بچوں کے لباس کا، ان کے پہناوے تک کا، کس بچے کے لئے اللہ نے یہ خیال کیا، اللہ نے یہ سوچا، اللہ نے یہ اہتمام کیا، ۲۹ رمضان ہے عید آنے والی ہے وہ اپنی والدہ ماجدہ سے کہتے ہیں

کہ ہمیں بھی نئے کپڑے چاہئیں اور مملکت صبر ورضا کی وہ ملکہ اور سلطنت فقر کی وہ شاہزادی، وہ کہتی ہیں کہ کپڑے تمہیں دلا دوں گی۔ بچے کہتے ہیں کے اتنی جلدی سیے گا کون ؟ وہ کہتی ہیں درزی سلے ہوئے لے آئے گا۔ نماز کے لئے مصلیٰ بچھا کر بیٹھ جاتی ہیں ہاتھ اٹھا دیتی ہیں دعا کے لئے اور کہتی ہیں اے مرے رب میں نے اپنے بچوں سے وعدہ کرلیا ہے اب میرے وعدے کی لاج رکھنا۔ میرے اٹھے ہوئے ہاتھوں کو تو اب خالی واپس نہ کرنا۔ عید کے روز دروازے پر دستک ہوتی ہے۔ پوچھا کون ہے ؟ کہا آپ کا درزی ہے۔ بچوں کے کپڑے لایا ہوں۔ کپڑے کیا نفیس اور لاثانی اور بے مثال کہ سرکارؐ تشریف لے آئے پوچھا بیٹا کیا ماجرا ہے ؟ عرض کیا کہ ابا جان یہ بات تھی۔ بچوں نے ضد کی تھی میں نے ان کو وعدہ کرلیا تھا۔ اللہ نے میرے وعدے کی لاج رکھ لی تو ایک درزی کپڑے دے گیا۔ فرمایا بیٹی جانتی ہو وہ درزی کون تھا ؟ عرض کیا اللہ اور اللہ کا رسولؐ بہتر جانتا ہے۔ فرمایا وہ تمہارا درزی جبرئیلؑ امین تھا اور وہ جنت سے یہ جوڑے لے کر آیا تھا کہ ان بچوں کا دل برا نہ ہو۔

مجھے بتائیے کسی بچہ کے لئے یہ اہتمام ہوا، یہ انتظام ہوا ؟ اس کی خوشی کا خیال رکھا گیا ؟ اور پھر ایک اور آگے عجیب روایت کھیل کود میں اللہ اور

اللہ کا رسولؐ کیا دلچسپی لے رہا ہے۔ حسینؑ اور حسنؑ کی کسی اہتمام سے بچوں کی اٹھان ہو رہی ہے۔ ان کو آگے بڑھایا جا رہا ہے اس لئے کہ آگے چل کر ایک کو شہادت باطنی پر فائز ہونا ہے اور ایک کو شہادت ظاہری پر فائز ہونا ہے اور یہ جو میں روایت سنا رہا ہوں کتابوں کے نام سن لیجئے جن میں یہ روایات ہیں۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ابن حجر عسقلانی کی جلد اول صفحہ ۲۳۱، شواہد النبوۃ صفحہ ۳۰۴، نزہتہ المجالس جلد دوم صفحہ ۲۲۲، نورالابصار صفحہ ۱۲۸، خصایص کبریٰ جلد دوم صفحہ ۲۳۵۔ ان کتابوں میں یہ روایت موجود ہے۔ روایت یہ ہے کہ حسنؑ و حسینؑ کشتی لڑ رہے ہیں۔ آپ نے یہ تو سنا ہو گا دیکھا بھی ہو گا کہ بچے کشتیاں لڑتے ہیں مگر کبھی آپ نے یہ دیکھا اور سنا نہیں ہو گا کہ اللہ اور اللہ کا رسولؐ بھی کشتی لڑانے میں دلچسپی لے۔ حسنؑ اور حسینؑ اپنے نانا جان کے سامنے کشتی لڑ رہے ہیں۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام حسنؑ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں، حسنؑ حسینؑ کو پکڑ لو۔ جناب سیدہؑ عرض کرتی ہیں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ چھوٹے کے مقابلہ میں بڑے کی حوصلہ افزائی فرما رہے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں میں بڑے کی حوصلہ افزائی کر رہا ہوں مگر ادھر جبرئیلؑ امین بھی تو حسینؑ کو کہہ رہے ہیں کہ حسنؑ کو پکڑ لو۔

یہ تربیت کا انداز تھا۔ یہ بچوں کی اٹھان تھی یہ ان کی نشوونما میں اللہ تعالیٰ کی دلچسپی تھی یہ رسول کی Involvement تھی اس کے اندر، اس لئے کہ ان دونوں کو آگے چل کر وہ فرض ادا کرنا تھا کہ جس فرض پر اس امت کی فلاح کا انحصار تھا۔ پھر اس مہینہ میں وہ آیا جو حسن واحسان کا مرقع ہے۔ جس کا نام حسن واحسان پر تھا۔

میں یہ بتانے کے لئے کہ یہ شخصیت کتنی عظیم تھی یہ بیان کرنے کے لئے میں ڈاکٹر علی شریعتی کا انداز بیان مستعار لوں گا۔ کیا ایک مفکر تھا۔ کیا ایک انقلاب اسلامی کا نقیب تھا کہ جو فرقہ وارانہ تعصبات کی وجہ سے ایک ملک میں اور ایک مکتب فکر میں محدود ہو کر رہ گیا۔ وگرنہ جس کی فکر اتنی توانا ہے کہ اس کے اندر عالمی سطح پر انقلاب اسلامی برپا ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر علی شریعتی ایک فرانسیسی عیسائی مفکر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ جناب مریمؑ پر لیکچر دے رہا تھا۔ اس نے کہا کہ دو ہزار سال سے مشرق ومغرب کے مفکر اور دانشور جناب مریمؑ پر لیکچر دے رہے ہیں۔ دو ہزار سال سے مصور اور پینٹران کی تصویریں بنا رہے ہیں اور اپنے فن سے دنیا کے سامنے ان کی معصوم تصویر پیش کر رہے ہیں۔ دو ہزار سال سے شعراء لاجواب قصیدے لکھ کر انہیں خراج تحسین پیش کر رہے ہیں، مگر وہ کہتا

ہے کہ اس ایک فقرے میں جناب مریم کا جو تعارف ہے وہ ان دو ہزار سال کی کوششوں پر بھاری ہے اور وہ فقرہ یہ ہے "جناب مریم حضرت مسیح کی ماں تھیں"، میں اگر یہ انداز بیان اختیار کرنا چاہتا تو جناب سیدہؑ کے بارے میں اقبال کے وہ اشعار آپ کے سامنے پیش کر سکتا تھا کہ

مریم از یک نسبت عیسیٰؑ عزیز

اور جناب زہراؑ تو تین نسبتوں سے ہمارے لئے عزیز و محترم ہیں ایک نسبت یہ ہے:۔

نور چشم رحمۃ للعالمیں

آں امام اولین وآخریں

اور دوسری نسبت یہ ہے کہ

بانوئے آں تاجدار ہل اتیٰ

مرتضیٰؑ مشکل کُشا شیر خدا

اور تیسری نسبت کہا کہ یہ ہے

مادرِ آں مرکزِ پرکار عشق

"پرکار" کا نقط جہاں سے شروع ہوتا ہے اور وہیں پر ختم ہوتا ہے۔ قربانی حسینؑ سے شروع ہوتی ہے، حسینؑ پر ختم ہوتی ہے۔

مادرِ آں مرکز پرکارِ عشق

مادرِ آں قافلہ سالارِ عشق

مگر میں نے دیکھا کہ نہیں حسینؑ یہی کچھ نہیں ہے۔ اگر کہنا چاہتا تو یہی کہہ کر حسینؑ کا تعارف کرا دیتا کہ وہ فاطمہؑ زہرا کے فرزند دلبند، وہ علیؑ مرتضیٰ کے لخت جگر ہیں، وہ رسولؐ خدا کے نواسے ہیں۔ مگر میں نے دیکھا حسینؑ یہی کچھ نہیں ہیں۔ پھر میں نے سوچا کہ یہ پیرایہ بیان اختیار کروں کہ حسینؑ، حسنؑ کے بھائی ہیں، عباسؑ کے بھائی اور زینبؑ کے بھائی ہیں مگر میں نے دیکھا کہ نہیں حسینؑ یہی کچھ نہیں اور پھر میں نے سوچا کہ یہ بیان کروں کہ حسینؑ علی اکبرؑ کے باپ تھے، علی اصغرؑ کے باپ تھے اور جناب سکینہؑ کے باپ تھے۔ اور امام زین العابدینؑ کے باپ تھے۔ مگر میں نے دیکھا کہ حسینؑ یہی کچھ نہیں دوستو سچ پوچھو تو حسینؑ حسینؑ ہیں۔

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

اور یہ لفظ یہ نام عرش معلیٰ سے اترا ہے آنحضورؐ نے وحی کا انتظار کیا تب یہ نام رکھا۔ حسینؑ احسان سے نکلا ہے۔ حسنؑ کی تصغیر وہ ذات جو حسن واحسان کا مرقع ہو حسینؑ ہے۔ آپ سے پہلے کوئی حسینؑ نہیں کہلایا۔ یہ تاج صرف ایک فرق اقدس کے لئے بنا تھا اور وہ حسینؑ کے سر پر رکھا گیا یہ حسن ہیں، انیس پھر یاد آ گئے۔

یہ حسن میں سردار حسینانِ زمن ہے
احسان سے مشتق ہے یہ تصغیر حسن سے

کیا فضیلت بیان کروں، حسینؓ کا کیا تعارف کراؤں کہ ہر خطبہ جمعہ میں جس مسجد میں جاؤ یہ سنو گے اور یہ حدیث وہ ہے جو مشکوۃ میں ترمذی شریف میں ہے خصایص کبریٰ میں ہے۔ مستدرک میں ہے۔ جامع صغیر میں ہے۔

الحسن والحسین سیدا شباب اہل الجنتہ

کہ حسنؓ و حسینؓ نوجوانان جنت کے سردار ہوں گے۔ مگر علامہ صاحب اور ایک بات میری سمجھ میں نہ آسکی آپ عقدہ حل کردیں۔ جنت میں تو سب نوجوان ہوں گے۔ وہاں کوئی بوڑھا بھی ہوگا؟ کہ اس کا سردار حسینؓ نہیں ہوگا۔ وہاں تو ہوں گے ہی نوجوان، سب نوجوان ہوں گے۔ تو نوجوانان جنت کے سردار حسینؓ ہیں تو سب جنتیوں کے سردار حسینؓ ہوں گے۔ تو اس مہینہ کو آپ نے کہا یہ میرا مہینہ ہے۔ اس لئے کہ اس میں وہ پیدا ہوا جس نے حق اور باطل کے درمیان حدِ فاصل قائم کیا۔ جب خلافت، حکومت وملوکیت میں تبدیل ہو رہی تھی تو ملوکیت نے چاہا کہ ولایت سے بھی بیعت لے۔ حکومت کو ولایت کی ضرورت ہے مگر ولایت کو حکومت

کی ضرورت نہیں اور یہاں سے فتح وشکست کا ایک نیا مفہوم سامنے آتا ہے۔ اگر حسینؑ تخت شام پر قبضہ کرنا چاہتے تھے اور قبضہ نہ کرسکے تو ناکام ہوئے۔ مگر وہ تو احقاق حق کے لئے نکلے تھے۔ ابطال باطل کے لئے نکلے تھے، تخت شام پر تو قبضہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس تخت کو تو جناب امام حسنؑ نے پہلے ہی پائے حقارت سے ٹھکرا دیا تھا۔ اگر یزید کا اصل مقصد حسینؑ کی جان لینا تھی تو وہ فتح پاگیا۔ مگر نہیں وہ جان نہیں لینا چاہتا تھا وہ تو بیعت لینا چاہتا تھا اور زمانہ جانتا ہے کہ وہ بیعت نہ لے سکا، اس لئے کامیاب نہ ہوا۔

اور جب یزید کا لشکر، لسان الملت نے کہا اور بڑی فصاحت سے کہا، جب یزید کا لشکر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق تک نیزے پر حسین کا سر بلند کر کے جارہا تھا تو وہ اس امر کا اعلان کر کے جارہا تھا کہ لوگو! حسینؑ سے ہم بیعت نہ لے سکے اس لئے شکست حسین کو نہیں ہوئی شکست یزید کو ہوئی ہے۔ اس لئے کہ اس نے سر دے دیا مگر اس نے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیا۔ اور فتح وشکست کی تہہ میں ذرا اور اتر کر دیکھئے، یزید، جناب امامؑ سے بیعت کا مطالبہ اس لئے کر رہا تھا کہ عوام سے قوت احساس چھن جائے اور جرات اظہار ان میں ختم ہوجائے۔ اس لئے کہ جب ملوکیت پر ولایت کی مہر لگ جاتی تو لوگوں کو یقین آجاتا کہ یہ صحیح ہے۔ مگر حسینؑ اس وقت

صرف حسینؑ نہ تھے حسینؑ علیؑ بھی تھے اور حسینؑ نبیؐ بھی تھے۔ اب تاریخ سے پوچھ لو یزید اور امام حسینؑ کا مقابلہ ہوا۔ اگر اس مقابلے کے نتیجے میں عوام کی قوت احساس ختم ہوگئی، جرات اظہار مٹ گئی تو یزید فتح یاب ہوگیا وگرنہ اس نے شکست کھائی۔ نتیجہ خود دیکھ لو ساری تاریخ چھان مارو، تم دیکھو گے کہ جرات اظہار کے سوتے ابل رہے ہیں اور دنیا کے اندر قوت احساس جنم لے رہی ہے اور ہر دل کے اندر وہ آگ لگی ہے کہ حق اور باطل کے درمیان جو خس وخاشاک ہیں ان کو جلانا جانتی ہے اور ان کو جلا کر راکھ کر دے گی۔ کربلا کے فوراً بعد جرات اظہار اس طرح زندہ ہوئی، ابن زیاد کا دربار ہے اور ابن زیاد چھڑی سے جناب امامؑ کے لب و دنداں سے کھیل رہا ہے اور حضرت زید ابن ارقم کہتے ہیں کے او بد بخت! ہٹا لے اپنی چھڑی کو یہ وہ لب دنداں ہیں جن کے رسولؐ بوسے لیتے تھے۔ یہ جرات اظہار زندہ ہوئی دربار میں بھرے دربار میں تو لوگ جو سن رہے تھے اس کی بات کو ان کے دل میں یہ شعلہ آزادی بھڑکا ہوگا کہ نہیں بھڑکا ہوگا؟ تاریخ تو یہ تفصیل بیان نہیں کرتی مگر آپ قیاس کر کے سوچ سکتے ہیں، دیکھ سکتے ہیں کہ جب زید ابن ارقم نے یہ جملہ کہا ہوگا تو اس محفل کا رنگ کیا ہوگیا ہوگا۔

اور پھر مسجد میں اجتماع ہے ابن زیادہ تقریر کرتا ہے۔ حسینؑ وعلیؑ پر زبان طعن دراز کرتا ہے، مگر جرات اظہارء کربلا کے بعد کس طرح زندہ ہوئی ہے؟ ستون مسجد کے پاس سے آواز آتی ہے۔ یہ ایک نابینا صحابی کی آواز ہے۔ حضرت عبداللہؓ ابن عفیف ہیں وہ کہتے ہیں کہ اے کذَاب ابن کذَاب! یہ خرافات بند کر۔ تو جھوٹا ہے ترا باپ جھوٹا ہے اور جس نے تجھے مقرر کیا ہے وہ جھوٹا ہے۔ مسجد کا کیا عالم ہوا ہوگا؟ اجتماع کی کیا کیفیت ہوئی ہوگی اور مقرر کے کیا جھکے چھوٹے ہوں گے۔ چشم تصور سے ذرا اس نقشہ کو اپنی نگاہوں میں لائیے۔

اب سر حسینؑ یزید کے دربار میں ہے اور یزید کو بھی ان دونوں واقعات کی رپورٹ پہنچ چکی ہوگی۔ اب وہ کہتا ہے کہ اب تو میرا دارالسلطنت ہے۔ میں دمشق میں ہوں اور یہ تو ہماری راج دھانی رہی ہے۔ یہاں تو بدھ کو بھی جمعہ کی نماز پڑھا دی جائے تو فرق نہیں پڑتا۔ مگر یہاں ابوبرزہ اسلمی کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یزید کو سر دربار ٹوکتے ہیں۔ ایک نصرانی، وکیل روم کھڑا ہو جاتا ہے کہتا ہے کہ یہ کس کا سر ہے؟ یزید کہتا ہے حسینؑ کا۔ کہا حسین کون تھا؟ اس سوال سے یزید کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں پسینے سے تر ہو جاتا ہے۔ یہ سوال ہی تنہا اس کو خوار و خجل کرنے کے لئے کافی ہے۔

شادیانے بج رہے ہیں کہ حسینؑ شہید ہو گئے۔ یزید سیدہ زینبؑ کو مخاطب کر کے کہتا ہے، زینبؑ! سنتی ہو یہ شادیانے بج رہے ہیں کہ یہ میری فتح کا اعلان ہے، یہ میری حکومت کا اعلان ہے۔ اتنے میں اذان کی آواز گونجی۔ سیدہؑ فرماتی ہیں یزید سنتا ہے، یہ میرے بھائی کی فتح کا اعلان ہے۔ تمہارے شادیانے ختم ہو جائیں گے۔ لیکن یہ اذان چادر دانگ عالم میں قیامت تک گونجتی رہے گی اور جب تک گونجتی رہے گی حسینؑ کی فتح کا اعلان کرتی رہے گی۔

حسینؑ نے قوت اظہار پیدا کر دی یا ختم کر دی۔ عوام کی سوچ تو عوام کی قوت احساس کو اجاگر کر دیا کہ مٹا دیا؟ اگر مٹا دیا تو حسینؑ ناکام ہو گئے، شکست کھا گئے اور اگر اجاگر کر دیا اور جرات اظہار پیدا کر دی تو حسینؑ فتح یاب ہو گئے۔ اور یزید ناکام اور نامراد ٹھہرا۔ مگر آگے بڑھو کہ سر حسینؑ کیا جرات اظہار پیدا کرتا ہے۔ مدینہ میں بغاوت ہوتی ہے اور کہاں کہاں یزید کے وکلا وصفائی اس کی صفائی دیں گے۔ اس ظالم نے اس کی فوج نے مدینہ منورہ پر روضہ اقدس پر حملہ کیا اور اہل سنت کی تمام کتابوں میں لکھا ہے کہ اس کے سپاہیوں نے گھوڑے مسجد نبوی میں باندھے اور جو کیا مدینہ کی خواتین کے ساتھ کتابوں میں پڑھو زبان میری زیب نہیں دیتی کہ میں وہ بیان کر سکوں۔

اور پھر مکہ میں عبداللہ ابن زبیر نے علم بغاوت بلند کیا۔ خانہ کعبہ پر اس ظالم نے منجنیقوں سے حملہ کیا۔ غلاف کعبہ جل گیا۔ یوں جرات اظہار کے شعلے لپکنے لگتے ہیں۔ حسینؑ نے دلوں میں ہلچل مچادی۔ لوگوں کی سوچ کی قوت اور اجاگر کردی۔ یہاں تک کے پورا عالم اسلام کھڑا ہوگیا۔ مختار ثقفی پیدا ہوگئے۔ تین سال تین ماہ میں یزید کی حکومت ختم ہوگئی۔ اس کا بیٹا معاویہ تخت نشین ہوا۔ بٹھایا گیا اسے، تو یہ کہہ کر وہ تخت کو چھوڑ بھاگا۔ کہا کہ میں اس تخت پر نہیں بیٹھ سکتا اس سے مجھے خون اہلبیتؑ کی بو آتی ہے۔ پھر مختار ثقفی نے جو انتقام لیا ہے تاریخ میں پڑھو کہ جو مر گئے تھے ان کی قبریں کھود کر ان کی ہڈیاں نکال کر اور ان کا غبار فضاء آسمان میں اڑا دیا۔ شکست کس کو ہوئی۔ فتح کس کو ہوئی؟

اور ایک آخری بات اور کہتا ہوں شکست اور فتح کی ایک بڑی علامت اور بھی ہے اور وہ علامت یہ ہے کہ شکست خوَردہ شرمند ہوتا ہے اور فاتح نازاں اور شاداں ہوتا ہے۔ شکست خوردہ واقعہ کو چھپاتا ہے۔ ڈرتا ہے کہ اس کا ذکر نہ ہو، ڈرتا ہے کہ اس کے جلوس نہ نکلیں، ڈرتا ہے کہ اس کے ذکر کی محفلیں برپا ہوں اور سامنے آجائے وہ واقعہ نہ اس کی تاویل در تاویل کرتا ہے، صفائیاں دینے کی کوشش کرتا ہے اور فاتح اور فاتح کے حامی اسے نمایاں کرتے ہیں۔ شکست خوردہ واقعہ کو چھپاتا ہے۔ یہ شکست

اور فتح کے درمیان ایک بنیادی فرق ہے۔ جو بتا رہا ہے۔

اب واقعہ کربلا کے بعد دیکھ لو، یزید والے کس کس طرح اس کی تاویلیں کر رہے ہیں، کس کس طرح اس پر پردے ڈال رہے ہیں اور حسینؑ اور حسینؑ والے کس کس طرح اسے نمایاں کر رہے ہیں؟ اور یہ بھی سوچ لو کہ یادگاریں یزید کی قائم ہیں کہ حسینؑ کی قائم ہیں؟ اگر یادگاریں حسینؑ کی قائم ہیں اور قائم ہوئیں، قائم ہوتی رہیں گی تو پھر فتح حسینؑ نے پائی، پھر یزید نے فتح نہیں پائی۔ اور میں نہیں کہتا۔ اقبال کہتا ہے، وہ کہتا ہے کہ ہر چیز ہمارے دل سے محو ہوگئی ہر چیز ہم نے بھلا دی، مگر حسینؑ کو نہیں بھلا سکے۔ ہم سے شام کی شوکت اور بغداد کا جاہ وجلال بھی چلا گیا۔ اور ہسپانیہ میں جو ہم نے حکمرانی کی تھی وہ جاہ وجلال بھی ہمارے حافظہ سے نکل گیا مگر ہماری روح کا تار جو ہے وہ حسینؑ کی مضراب سے اب بھی اس میں نغمے پھوٹ رہے ہیں اب بھی وہ لرزاں ہیں۔

تار ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز

تازہ از تکبیر او ایماں ہنوز

اس کی تکبیر سے اب بھی ہمارا ایمان تازہ ہوتا ہے۔ اور ایک شعر میں نے پڑھا تھا بچپن میں نام معلوم نہیں شاعر کا کیا ہے۔ شاعر کے طور پر شہزاد کا لفظ اس میں آتا ہے۔ مگر اچھا شعر کہا۔ بہت اچھا شعر کہا۔ کہ کیسے بھول جائیں

حسینؑ کو اس لئے کہ تاریخ جو میں اصل اسلام کے اندر جو تب و تاب ہے وہ حسینؑ کے دم قدم سے ہے کہا کہ

میں کربلا کو فراموش کر تو دوں شہزاد
مگر لہو میں حرارت کہاں سے آئے گی

ایک اور ھندو شاعر نے کہا اور اسی پر اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں اور اس کو بھی فتح و شکست کا حسینؑ اور یزید کی فتح و شکست کا اندازہ تھا اور کیا اس نے بھی محاکمہ کیا ہے اور کیا منصفانہ محاکمہ ہے۔ اس لئے کہ حسین تو پوری انسانیت کے ہیں انہوں نے تو پوری انسانیت کو عزت کی زندگی سکھائی ہے عزت کی موت سکھائی ہے آزادی کی تڑپ دی ہے۔ غیر اللہ کے سامنے جھکنے سے انکار کرنا سکھایا ہے۔ اور آج جہاں جہاں دنیا میں آزادی کی تحریکوں کے چراغ جل رہے ہیں ان میں شہداء کربلا کا خون ہے جو تیل کی صورت میں جل رہا ہے اور اس نے کہا ایک مورچہ ہوتا ہے ایک جنگ ہوتی ہے Intotality بعض اوقات دشمن ایک مورچہ فتح کرلیتا ہے لیکن جنگ Intotality ہار جاتا ہے کہا کہ یزید نے مورچہ تو کربلا کا وقتی طور پر جیت لیا مگر وہ جو زندگی کی بازی تھی وہ ہار گیا اور قیامت تک کے لئے ناکامی اور نامرادی اس کے حصہ میں آئی وہ جنگ پوری کی پوری ہار بیٹھا کہا اور کیا خوب کہا۔

وقارِ خونِ شہیدانِ کربلا کی قسم　　یزید مورچہ جیتا ہے جنگ ہارا ہے

عشق کا فرض کچھ اس طرح ادا ہوتا ہے
ہر نفس معرکۂ کرب و بلا ہوتا ہے
زاہدوں کی یہ نمازیں بھی بجا ہیں لیکن
سجدۂ عشق تہِ تیغ ادا ہوتا ہے

(مولانا کوثر نیازی کے متفرق اشعار)

باطل کے سامنے نہ جھکاؤں گا سر کبھی
میری نظر میں اُسوۂ ابنِ رسولؐ ہے

یزید نفس کی طاعت جسے گوارا ہو
وہ قدر دانِ شہیدِ فرات کیا ہوگا

گردن نہ جھکی آپؑ کی مخلوق کے آگے
اللہ ری کیا شانِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

یزیدِ وقت بھی ہے عرصۂ کربِ بلا بھی ہے
نظر آتا نہیں لیکن کوئی شبیرؑ اے ساقی

نئے یزید نئی کربلا ہوئی پیدا
زمانہ ڈھونڈ رہا ہے کوئی نیا شبیرؑ

ہفت افلاک کے پردے میں نہ ہوگی کوثرؔ
چادرِ خواہرِ شبیرؑ سی چادر کوئی

بہت سادہ سا ہے اپنا اُصولِ دوستی کوثرؔ
جو اِن سے بے تعلّق ہے ہمارا ہو نہیں سکتا

کوثرؔ مجھے اِس جُرم سے انکار نہیں ہے
شیدا ہوں دل و جاں سے میں اولادِ علیؑ کا